

عزات سیریز

سپرائیجینٹ ڈریگن



شہاد محمود

عشق سیریز

سپر ایجنٹ ڈریگن

مکمل ناول

شاہد محمود

ندیم

یوسف برادرز

الحمد مارکیٹ
اردو بازار
لاہور

Mob: 0300-9401919

سرِ راہ

اس ناول کے تمام نام، مقام، کردار، واقعات اور
پیش کردہ پچوٹسز قطعی فرضی ہیں۔ کسی قسم کی جبری
یا کئی مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی۔ جس کے لئے پیشتر
مصنف، پرنٹرز قطعی ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

محترم قارئین۔ سلام مسنون۔ شاہد محمود صاحب کا نیا ناول ”سپرائیٹ ڈرائنگ“ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے پہلے ان کے تحریر کردہ دو ناول ”سمورائی“ اور ”گھنچے فرشتے“ آپ پڑھ چکے ہیں۔ شاہد محمود صاحب نے صرف دو ناول لکھ کر ہی اپنے قارئین کی تعداد میں بے پناہ اضافہ کر لیا ہے۔ شاہد محمود صاحب کا انداز تحریر اچھوتا، جداگانہ اور بے حد دلچسپ ہے۔

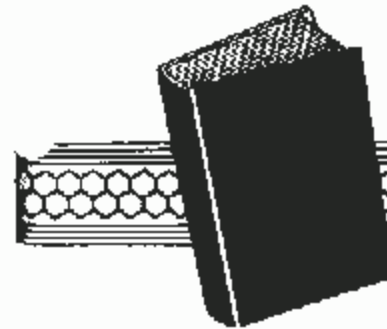
امید ہے یہ ناول بھی آپ کے اعلیٰ معیار پر پورا اترے گا۔

یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ یوسف برادرز چونکہ مختلف مصنفین کے ناول شائع کر رہا ہے اور قارئین اپنے خطوط میں دونوں کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہیں اور ان کی آراء کو علیحدہ علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کے خطوط اور ان کے جوابات دونوں ناولوں میں شائع کر دیئے جائیں۔ یہاں جو خطوط اور ان کے جوابات شائع کئے جا رہے ہیں یہی ظہیر احمد صاحب کے ناول گینگ وار میں بھی شائع کئے جا رہے ہیں جو کہ اس ناول کے ساتھ ہی شائع ہو گیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں آپ کے خطوط اور ان کے جوابات۔

ڈسکہ ضلع سیالکوٹ سے ڈاکٹر غلام ربانی لکھتے ہیں۔ آپ کا شائع کردہ ناول ”گریٹ ایجنٹس“ پڑھا۔ ناول پڑھنے کے بعد کافی دیر تک

ناشر ————— محمد یوسف قریشی
اہتمام ————— محمد بلال قریشی
قانونی مشیران ————— غلام مصطفیٰ قریشی ملتان
————— ملک محمد اشرف لاہور
طابع ————— پرنٹ یارڈ پرنٹرز لاہور
قیمت ————— 100/- روپے



سوچتا رہا۔ یہ ناول واقعی ظہیر احمد کا تحریر کردہ ہے۔ میں نے ظہیر احمد کے بہت سے ناول پڑھے ہیں لیکن یہ ناول تو حیران کن حد تک بہترین ہے۔ جبکہ ان کا اور کوئی بھی ناول اس پایہ کا نہیں ہے۔ دوسرا ناول ”گنجے فرشتے“ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ یہ ناول جس موضوع پر لکھا گیا ہے۔ اس کی حقیقت سے انکار نہیں۔ صرف اتنا کہوں گا کہ ایک گندی مچھلی پورا تالاب گندہ کر دیتی ہے۔ میں خود بھی ڈاکٹر ہوں لیکن ایسے قبیح کام کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ شاہد محمود صاحب نے یہ ناول لکھ کر جہاد کیا ہے۔ ہو سکتا ہے اسے پڑھ کر بہت سوں کی آنکھیں کھل جائیں۔ آپ کے دونوں ناول اپنی اپنی جگہ انتہائی شاندار اور لا جواب ہیں۔ میری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیں۔ آئندہ آنے والے ناولوں کا شدت سے انتظار ہے۔

محترم ڈاکٹر غلام ربانی صاحب۔ دونوں ناولوں کی پسندیدگی کا شکریہ۔ ناول ”گنجے فرشتے“ کے بارے میں آپ کے جذبات قابل قدر ہیں۔ ہر محبت وطن کی خواہش ہے کہ یہ ناسور ہمارے معاشرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم نہ جائے۔ اسی لئے شاہد محمود صاحب نے بہت سوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے ہی اس حساس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور وہ یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ”گریٹ ایجنٹس“ کی پسندیدگی کا بھی شکریہ۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ گھوڑا اور گدھا برابر نہیں ہو سکتے۔ بس اتنا کہہ دینا کافی ہے۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ امید ہے آپ آئندہ بھی خط لکھتے رہیں گے۔

مانسہرہ سے خالد کریم خان لکھتے ہیں۔ ”میں بکسٹال پر کھڑا ظہیر احمد کے

ناول ”گریٹ ایجنٹس“ کو دیکھتا رہا کہ اسے خریدوں یا نہیں۔ کیونکہ ظہیر احمد کے ناول بور اور فضول ہوتے ہیں۔ ان میں بے معنی بھاگ دوڑ اور لمبے لمبے بور جملوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا لیکن جب ناول اٹھا کر یوسف برادرز پر نظر پڑی تو میں چونک پڑا۔ یوسف برادرز تو عرصہ دراز سے مظہر کلیم ایم اے کے ناول شائع کرتے آئے ہیں۔ ان کا تو ہر ناول معیاری اور شاندار ہوتا تھا۔ صرف یوسف برادرز کی وجہ سے میں نے یہ ناول خرید لیا۔ جب پڑھا تو میں حیران رہ گیا۔ یہ ناول تو انتہائی شاندار نکلا۔ سسپنس فل اور ایکشن کا تو جواب نہیں۔ مجھے دادا رستم کا کردار بہت پسند آیا ہے۔ اسے مارنا نہیں چاہتے تھا۔ ایسا لا جواب ناول شائع کرنے پر یوسف برادرز کو مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس ادارے کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ (آمین)

محترم خالد کریم خان صاحب۔ ناول ”گریٹ ایجنٹس“ آپ کو پسند آیا۔ شکریہ۔ ہمارا پہلے دن سے یہ عہد ہے کہ ہر شائع ہونے والا ناول ہر لحاظ سے نہ صرف اعلیٰ معیار کا ہوگا بلکہ اس کی قیمت بھی کم سے کم رکھی جائے گی۔

جب آپ جیسے قاری جو عمران سیریز کو پڑھنا چھوڑ چکے ہیں۔ صرف یوسف برادرز کی وجہ سے ناول خریدتے ہیں تو ہمارے حوصلے اور بلند ہو جاتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اسی کی توفیق اور مہربانی سے ہم دوبارہ آپ کے خدمت کے قابل ہوئے۔

آپ نے ہمارے دوسرے ناول ”گنجے فرشتے“ کے بارے میں کچھ

نہیں بتایا۔ اس کے لئے آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔ آپ کی دعاؤں کا بھی شکریہ۔ امید ہے آپ آئندہ بھی خط لکھتے رہیں گے۔

ذیشان لاہوری لاہور کے مالک عبد المجید صاحب لکھتے ہیں۔ ”میری لاہوری پر لوگ جب ظہیر احمد کا نیا ناول دیکھتے ہیں تو ناک منہ چڑھا کر واپس چلے جاتے ہیں۔ کچھ عادت سے مجبور لے بھی جاتے ہیں اور آدھا پڑھ کر غصے سے پھینک دیتے ہیں اور لعن طعن کر کے چلے جاتے ہیں۔ یوسف برادرز کا شائع کردہ ظہیر احمد کا ناول ”گریٹ ایجنٹس“ اس امید پر لیا کہ یوسف برادرز معیار پر سمجھوتہ نہیں کرتے۔“

محترم عبد المجید صاحب۔ آپ نے ہمارا ناول ”گریٹ ایجنٹس“ جس اعتماد پر خریدا آپ ہمیں اس اعتماد پر انشاء اللہ پورا پائیں گے۔ آپ کی لاہوری کے وہ کسٹمرز جو ظہیر احمد کے ناول پڑھنا پسند نہیں کرتے۔ انہیں ہماری جانب سے دعوت دیں کہ وہ ہمارا یہ ناول ایک بار ضرور پڑھیں۔ پھر آپ دیکھیں وہ ہمارے آئندہ آنے والے ناولوں کا کس قدر بے چینی سے انتظار کرتے ہیں۔ آپ کا بے حد شکریہ۔

اسلام آباد سے خواجہ احسان اللہ لاہور ہمارے شوروم پر تشریف لائے اور مظہر کلیم ایم اے کے ناول سلور گرل، ایکسٹو اور ڈاگ ریز کی فرمائش کی۔ مذکورہ تینوں ناول جب ان کی خدمت میں پیش کئے تو وہ حیرت سے ان ناولوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگے۔ پھر خود ہی بولے کہ میں نے ان ناولوں کے لئے اسلام آباد، راولپنڈی چھان مارے لیکن مجھے کہیں سے بھی نہیں ملے۔ آپ کے ادارے کا علم ہوا تو ان ناولوں کی خاطر اسلام

آباد سے لاہور آیا ہوں اور حیرت ہے کہ یہاں نہ صرف یہ تینوں ناول بلکہ آپ کے پاس تو ان کا خاصا وسیع سٹاک موجود ہے پھر انہوں نے کچھ اور ناول بھی پسند کئے۔ اس دوران ہم نے انہیں نئے ناول ”گریٹ ایجنٹس“ اور ”سینے فرشتے“ دیئے تو انہوں نے ”سینے فرشتے“ تو لے لیا اور ”گریٹ ایجنٹس“ یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ ظہیر احمد کے ناول تو میں نے ہاتھ بھی نہیں لگانا۔ ایک دفعہ ان کا ناول خریدا تھا۔ پڑھنے کے بعد احساس ہوا کہ آج پیسے حلال نہیں ہوئے۔ اس پر ہم نے ان سے چند باتیں کیں تو ہمارے اصرار پر وہ ”گریٹ ایجنٹس“ ناول بھی لے گئے۔ دو روز قبل ان کا فون آیا تو دوسری باتوں کے بعد ہم نے ناول ”گریٹ ایجنٹس“ کے بارے میں ان کی رائے پوچھی تو فرمانے لگے۔ ایسولولی فیفا شک۔ آپ نے تو کمال کر دیا۔

المرل بک سنٹر گڑھا موڑ سے مدر حسین اور شکرا اللہ لکھتے ہیں۔ ”یوسف برادرز ادارہ دوبارہ شروع کرنے پر یقین جانیں جتنی خوشی ہمیں ہوئی وہ بیٹن سے باہر ہے۔ ہم خدا سے دعا کیں کرتے تھے۔ یوسف برادرز ادارہ دوبارہ بنے اور خدا نے ہماری دعائیں سن لیں۔ ایک دن لاہوری پر اچانک آپ کی فہرست کتب پر نظر پڑی۔ پہلے تو یقین نہیں آیا۔ بعد میں لاہوری والے سے آپ کی فہرست کتب لینے کی درخواست کی۔ لیکن اس نے دینے سے صاف انکار کر دیا۔ مگر وہاں موجود آپ کی نئی کتاب پر آپ کا لاہور کا ایڈریس مل گیا۔ پھر اسی دن فون کر کے آپ سے بہت سی کتب منگوائیں جو ایک ہفتہ میں ہی بک گئیں۔

یقین جانیں ہماری طرح جو بھی آپ کی کتب دیکھتا تھا اس کے چہرے پر بے پناہ خوشی ہوتی تھی۔ آپ جلدی جلدی عمران سیریز اور بچوں کی کہانیاں شائع کیا کریں۔ ایک گزارش ہے کہ ناول سمورائی میں مزاح بالکل نہیں تھا۔ مزاح کے بغیر تو عمران سیریز نامکمل ہے۔ پلیز مزاح پر دھیان دیں۔

محترم مدثر حسین اور شکرا اللہ صاحبان۔ آپ کے خلوص کا بے حد شکریہ۔ آپ کی دعاؤں کی بدولت بنی ہم دوبارہ آپ کی خدمت کے قابل ہوئے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار ہیں کہ اسی نے ہمیں یہ ہمت اور توفیق عطا کی۔ جہاں تک جلدی جلدی کتب شائع کرنے کا تعلق ہے تو اتنا تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اچھے اور معیاری کام میں وقت تو لگتا ہے۔ ناول ”سمورائی“ میں واقعی مزاح کی کمی تھی اور اس کمی کی شکایت اور بھی بہت سے قارئین نے کی تھی۔ امید ہے آئندہ ناولوں میں شاہد محمود صاحب یہ کمی دور کر دیں گے۔ موجودہ ناول گینگ وار اور پیر ایجنٹ ڈریگن کے بارے میں آپ کی آراء کا انتظار رہے گا۔

اب اگلے ماہ تک کے لئے اجازت دیجئے۔

والسلام

یوسف قریشی

کافی دیر سے عمران اپنے اسٹڈی روم میں گھسا ہوا کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ اس نے وہاں موجود ہر چیز کو درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا مگر اس کے باوجود اس کی مطلوبہ چیز ابھی تک اسے نہیں مل سکی تھی۔ آخر کار رنج ہو کر اس نے سلیمان کو پکارا۔

”سلیمان۔ پیارے سلیمان۔ اپنے ہی گھر کے ازلی مہمان۔ ذرا کچن سے نکل کر یہاں میرے پاس اسٹڈی روم میں آؤ۔ ایک ایمر جنسی ٹاسک ہے۔ اور وقت کم ہے۔ سر پر پاؤں۔۔۔۔۔ یا پاؤں پر سر رکھ کر جلدی آؤ۔“ عمران نے بلند آواز میں چلاتے اور سلیمان کی شان میں قصیدے گنگناتے ہوئے کہا اور تھوڑی ہی دیر میں سلیمان کچن سے نمودار ہو کر منہ بگاڑتا ہوا عمران کے پاس آ گیا۔

”یہ آپ کیا سنہر شدہ راگ الاپ رہے ہیں۔ ہمسائے سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ ابھی پچھلے ہی بننے ساتھ والے فلیٹ میں ایک اٹھارہ

سال کی سرخ و سفید دوشیزہ شفٹ ہو کر آئی ہے۔ وہ ایئر ہوسٹس ہے اور سنگل پرسن کے طور پر یہاں رہ رہی ہے۔۔۔۔۔ سلیمان نے گویا ٹاپ سیکرٹ قسم کا انکشاف کرتے ہوئے کہا۔

”میری طرف سے بھاڑ میں جائے تمہارا ساتھ والا فلیٹ اور۔۔۔۔۔ باقی سب فلیٹ بھی۔ میں یہاں ایک ایئر جنسی ٹاسک میں پھنسا ہوا ہوں۔“۔۔۔۔۔ عمران نے اپنی برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”ایئر جنسی ٹاس۔ یہ آپ کس ٹاس کی بات کر رہے ہیں صاحب۔ کوئی کرکٹ میچ ہو رہا ہے۔ لیکن میرا یہ مشورہ پلے باندھ لیں کہ اگر آپ نے میچ فکسنگ میں حصہ لیا تو منٹوں میں کنگال ہو جائیں گے۔ کرکٹ میچوں کے گیمپلر بڑے کایاں ہوتے ہیں۔ جس گیند پر چاہیں بڑے سے بڑے باز کو آؤٹ کروا دیتے ہیں۔ اور جس گیند پر چاہیں ٹھٹھے بیشمین سے بھی سکسر لگوا دیتے ہیں۔ وہ ضرور آپ کو کنگال کر دیں گے۔“۔۔۔۔۔ سلیمان نے اپنی دانست میں نہایت قیمتی مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”ٹاس نہیں ٹاسک۔ تمہاری جنرل نانچ تو لا جواب ہے۔ ارے گامڑ۔ پہننے سے کنگال شخص مزید کیا کنگال ہوگا۔ اب اپنی بکواسیات کی لغت بند کرو اور مجھے بتاؤ کہ کیا تمہیں نماز جنازہ آتی ہے۔“۔۔۔۔۔ عمران نے درشتگی سے پوچھا اور سلیمان اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔

”نماز جنازہ۔۔۔۔۔ یہ اچانک نماز جنازہ کی کیا ضرورت پیش آگئی ہے۔ کون کس کی زلف گرہ گیر پر مر مٹا ہے۔“۔۔۔۔۔ سلیمان نے

تشویش زدہ لہجے میں کہا مگر اس کا انداز غیر سنجیدہ ہی تھا۔

”فضول بکواس کرنے کے بجائے صرف جواب دو۔ مجھے ٹھیک دس بجے قبرستان پہنچ کر ڈاکٹر طیب کی نماز جنازہ پڑھنا ہے۔ کل رات وہ اچانک ہارٹ اٹیک سے انتقال کر گئے تھے۔“۔۔۔۔۔ عمران نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”اللہ ان کی مغفرت کرے۔ سچی بات تو یہ ہے صاحب کہ نماز جنازہ تو مجھے بھی نہیں آتی۔ البتہ کافی جنازوں کو کندھا غرور دے چکا ہوں۔“۔۔۔۔۔ سلیمان نے بے چارگی کے لہجے میں کہا۔

”وہ کچھ دن پہلے تمہارا کوئی عزیز فوت ہو گیا تھا تو تم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے ایک کتابچہ اور مغفرت کی دعاؤں کی ایک کتاب منگوائی تھی۔ وہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ کہاں ہے وہ۔ میں نے پورے اسٹڈی روم کو چھان مارا ہے۔ مگر نہیں ملی۔“۔۔۔۔۔ عمران نے گلی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”وہ صاحب۔ دراصل قبرستان میں بہت سے دوسرے لوگوں کو نماز جنازہ اور دعائیں نہیں آتی تھیں۔ چنانچہ میں نے وہ کتابیں انہیں دے دی تھیں۔“۔۔۔۔۔ سلیمان نے معصومانہ انداز میں جواب دیا۔

”لعنت ہے تم پر۔ اگر یہ بات تھی تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ خواہ مخواہ میرا قیمتی وقت برباد کیا۔“۔۔۔۔۔ عمران نے بری طرح اٹکلاتے ہوئے کہا۔

”واہ صاحب۔ آپ کا بھی جواب نہیں۔ جب آپ نے پوچھا ہی

نہیں تو کیسے بتا دیتا۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ آئیل مجھے مار۔“ سلیمان نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا۔

”یہ محاورہ یہاں فٹ نہیں ہوتا گھماڑ۔ زیادہ پڑھا لکھا بننے کی کوشش مت کرو اور کچن میں دفن۔ میرا مطلب ہے دفع ہو جاؤ۔“ عمران نے کرسی سے اٹھتے ہوئے غصے سے کہا۔

”صاحب۔ کیا آپ یہ نیکنی کلر سوٹ پہن کر نماز جنازہ پڑھیں گے۔“ سلیمان نے حیرت سے اس کے نیکنی کلر سوٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیوں..... اس میں کیا حرج ہے۔ کیا یہ دھلا ہوا نہیں ہے۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔

”میرا یہ مطلب نہیں۔ دراصل ہمارے معاشرے میں اکثر لوگ شلو اور قمیض پہن کر نماز پڑھتے ہیں۔ گاؤں میں دھوتی کرتے بھی پہن لیا جاتا ہے۔“ سلیمان نے اپنی دانست میں عمران کو مفید مشورہ عنایت کیا۔

”تو پھر اپنے گاؤں جا کر میرے لئے ایک دھوتی کرتے لے آؤ۔ تب تک میں ڈاکٹر طیب کی روح کی منت سماجت کر کے اسے آمادہ کروں گا کہ ایک بار پھر زندہ ہو کر فوت ہو جائے تاکہ میں دھوتی کرتے میں اس کی نماز جنازہ پڑھ سکوں۔“ عمران نے غصیلانہ نظروں سے سلیمان کو گھورتے ہوئے کہا اور وہ برے برے منہ بناتا ہوا کچن کی طرف چلا گیا۔

اپنے فلیٹ سے نکل کر عمران پارکنگ ایریا میں کھڑی اپنی گاڑی میں بیٹھا اور مرکزی قبرستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں لوگ جمع ہو چکے تھے۔ اور ان میں پاکیشیا کی اعلیٰ ترین حکومتی شخصیات بھی شامل تھیں۔ ڈاکٹر طیب پاکیشیا کے ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے عالمی سطح کے بہت بڑے اور نامور ترین سائنٹسٹ تھے۔ ان دنوں وہ پاکیشیا کے ہمسایہ ملک کاشین میں دونوں ممالک کے اشتراک سے تشکیل دیئے گئے ایک خلائی سیٹلائٹ کے منصوبے پر کام کر رہے تھے۔ کاشین دنیا کی ایک بڑی سپر پاور تھی اور اس کا شمار پاکیشیا کے سب سے قریبی دوست ممالک میں ہوتا تھا۔

پاکیشیا اور کاشین نے خفیہ سیٹلائٹ سسٹم کا ایک منصوبہ باہمی اشتراک سے شروع کیا تھا۔ پاکیشیا کی طرف سے ڈاکٹر طیب کو اس پراجیکٹ کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا تھا۔ وہ بچپن برس کے ایک صحت مند انسان تھے۔ مگر گزشتہ رات اپنی لیبارٹری میں کام میں مصروف تھے کہ اچانک انہیں دل کا دورہ پڑا اور وہ ٹریٹمنٹ سے پہلے ہی موقع پر انتقال کر گئے۔ ان کی ڈیڈ ہاڈی ایک سپیشل فلائٹ کے ذریعے کاشین سے پاکیشیا لائی گئی تھی۔

عمران نے پارکنگ میں کار کھڑی کی اور قبرستان کے اندر چلا گیا۔ نماز جنازہ اور تدفین ہو چکی تھی۔ اب لوگ ان کے لواحقین اور عزیزوں سے اظہار تعزیت کر رہے تھے۔ عمران نے بھی ان کی بیٹی زین سے تعزیت کی۔ وہ عمران کو اچھی طرح سے جانتی تھی کیونکہ عمران ڈاکٹر

عمران کا لہجہ طنز سے بھر پور تھا مگر فیاض کا رویہ بدستور خوشگوار تھا۔ اس نے وقتی طور پر عمران کو نظر انداز کر کے دوبارہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے کاغذ کا مطالعہ شروع کر دیا۔ عمران کچھ دیر انتظار کرتا رہا لیکن جب فیاض نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی تو وہ خود ہی اس کے درپے ہو گیا۔

”سوپر۔ آخر یہ تم کیا پڑھ رہے ہو۔ کوئی عملیات کر رہے ہو کیا۔ آخر مجھے بھی کچھ بتاؤ۔ میں تمہارا دوست ہوں۔“ — عمران نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”عمران تم ہمیشہ ہر جگہ مجھ سے گوند کی طرح چپک جاتے ہو۔ یار یہ ایک اہم رپورٹ ہے جو کاشین کی وزارت خارجہ نے انٹیلی جنس کو بھیجی ہے۔ سیکرٹ سیلارنٹ پراجیکٹ کے بارے میں ہے۔ تمہارے ڈیڈی نے مجھے ڈاکٹر طیب کیس کے لئے چیف انوشی کیسٹر مقرر کیا ہے اور مجھے فوراً کاشین روانہ ہونا ہے۔ وقت کی کمی کے باعث یہیں یہ رپورٹ دیکھ رہا تھا۔“ — سپرنٹنڈنٹ فیاض نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ مگر خلاف معمول آج عمران کے ساتھ اس کا رویہ نارمل تھا۔

”رپورٹ میں کیا ہے۔ ڈاکٹر طیب کی موت کیسے واقع ہوئی۔“

عمران نے تذبذب کے لہجے میں پوچھا۔

”ساری دنیا کو معلوم ہو چکا ہے کہ انہیں ہارٹ ایٹک ہوا ہے۔ مگر شاید تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہوا۔“ — فیاض نے قدرے ناگواری سے جواب دیا۔

”ہارٹ ایٹک اصلی ہوا ہے یا مصنوعی۔“ — عمران نے کہا۔

”کیا جانتے ہو۔ ہارٹ ایٹک مصنوعی کیسے ہو سکتا ہے۔ دیکھ نہیں رہے کہ ڈاکٹر طیب کی موت ہو چکی ہے۔ بلکہ انہیں دفنایا بھی جا چکا ہے۔ اور تم کہہ رہے ہو مصنوعی ہارٹ ایٹک۔“ — فیاض نے غصے سے کہا۔

”یار آج کل ہر کام مصنوعی ہو رہا ہے۔ ہارٹ ایٹک کیا چیز ہے۔ ہاں البتہ تمہارا ایٹک کبھی مصنوعی نہیں ہو سکتا صنف نازک پر۔ کیونکہ تم ہمیشہ مد مقابل کے نازک اندام دل پر ایٹک کرتے ہو مگر وہ پھر بھی زندہ بچ جاتی ہے۔ میں تمہاری اس ایٹکنگ پاور کی تعریف کرتا ہوں۔ اور کسی تنظیم سے سفارش کر کے تمہیں دل کی شکل کی یادگاری شیلڈ ضرور دلاؤں گا۔“ — عمران کی نان سٹاپ زبان چل پڑی۔ چنانچہ فیاض کو مجبوراً اسے ٹوکنا پڑا۔

”لغت ہے تم پر۔ یہاں قبرستان میں بھی تم اپنی بکواسیات سے باز نہیں آتے۔ خدا تم پر رحم فرمائے۔“ — فیاض نے زچ ہو کر کہا اور عمران سے قدرے پرے چلا گیا۔ اسی لمحے سر رحمان وہاں آئے اور فیاض کے ساتھ قبرستان سے باہر چلے گئے۔ دیگر لوگ بھی اب قبرستان سے واپس جا رہے تھے۔ عمران وہاں کھڑا کسی سوچ میں گم تھا کہ اچانک سر سلطان اس کے قریب آ گئے۔

”عمران کیا سوچ رہے ہو تم۔“ — انہوں نے عمران کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔

”یہی کہ منکر نکیر اپنے کام میں مصروف ہو چکے ہوں گے۔ لہذا ہمیں ان کو ڈسٹرب کرنے کی بجائے اب واپس چلے جانا چاہئے۔“
عمران نے احمقانہ لہجے میں جواب دیا۔

”ان باتوں کو چھوڑو اور میری بات غور سے سنو۔ میرے پاس تمہارے لئے ایک اہم خبر ہے۔“ — سرسلطان نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”خبر اصلی ہے یا مصنوعی؟“ — عمران نے پھر احمقانہ لہجے میں کہا۔ سرسلطان اچھی طرح جانتے تھے کہ وقتاً فوقتاً عمران پر ایسے احمقانہ دورے پڑتے رہتے ہیں لہذا انہوں نے کوئی نوٹس نہ لیا۔

”میں یہاں سے سیدھا اپنے آفس جا رہا ہوں۔ جب تمہیں حماقتوں کے دورے سے افاقہ ہو جائے تو اپنی گاڑی میں وہاں چلے آنا۔“ — سرسلطان نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے پی اے کے ہمراہ وہاں سے باہر نکلتے چلے گئے۔ عمران بھی چونک کر مڑا اور ان کے پیچھے لپکا۔ مگر اسی لمحے کسی نے اسے عقب سے آواز دی۔

”مسٹر علی عمران۔ ذرا رکو۔ میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔“
آواز نسوانی تھی۔ عمران پھر واپس پلٹا تو ڈاکٹر طیب کی نو عمر بیٹی زین اس کے سامنے کھڑی تھی۔

”کیا بات ہے زین۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟“ — عمران نے حیرت و تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔

”یہاں نہیں مسٹر عمران۔ میرے ساتھ گھر چلیے۔ وہاں اطمینان سے

بیٹھ کر بات کریں گے۔“ — زین نے الجھن زدہ نظروں سے عمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے چہرے پر گہری سوچ کی لکیریں ابھرائی تھیں۔

”ٹھیک ہے زین۔ آؤ چلیں۔“ — عمران نے سپاٹ لہجے میں کہا اور پھر وہ قبرستان سے باہر آ گئے۔ اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر وہ آگے پیچھے وہاں سے روانہ ہوئے۔ بنگلے پر پہنچ کر زین اسے ڈرائنگ روم میں لے گئی۔ بلکہ فوراً ان کے لئے چائے کے مگ لے آیا۔

”عمران صاحب۔ پاپا ہمیشہ آپ کو اپنا بہترین اور قریبی دوست سمجھتے تھے۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ آپ سے بات کروں۔“
زین نے کہا۔

”ہاں زین کہو۔ کیا کہنا چاہتی ہو؟“ — عمران نے چونک کر پوچھا۔

”عمران صاحب۔ کچھ دن پہلے پاپا کا فون آیا تھا۔ وہ بہت پریشان تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ ان کے دماغ میں طرح طرح کے عجیب و غریب خیالات پیدا ہو رہے ہیں۔ جیسے کوئی نامعلوم قوت ان کے دماغ میں گھسنے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہ کہتے تھے کہ ان کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہے اور سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ بھی خطرے میں ہے۔“ — زین نے استعجاب آمیز لہجے میں کہا تو عمران چونک پڑا۔

”سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ یقیناً دنیا بھر کی دشمن حکومتوں کی آنکھ

میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ مگر ڈاکٹر طیب کو اپنی زندگی خطرے میں کیوں محسوس ہوئی۔ کیا یہی خیالات ان کے ہارٹ اٹیک کا سبب بنے ہیں۔“ — عمران نے الجھن زدہ لہجے میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”اس بارے میں میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ مجھے جو معلوم تھا وہ آپ کو بتا دیا ہے۔ پاپا اس ملک کا قیمتی سرمایہ تھے۔ اگر آپ اس سلسلے میں کچھ کر سکتے ہیں تو ضرور کریں۔“ — زین نے رندھیائی ہوئی آواز میں کہا۔

”تمہیں گھبرانے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ پاکیشیا کے حساس خفیہ ادارے اس معاملے کی چھان بین کے لئے حرکت میں آچکے ہیں۔ حقیقت زیادہ دیر تک پوشیدہ نہیں رہے گی۔ بس تم اپنا خیال رکھو۔“ — عمران نے اسے تسلی و حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہاں سے نکل کر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا اور سر سلطان کے آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے زین جیسی معصوم لڑکی سے گہری دلی ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کی ماں پہلے ہی وفات پا چکی تھی اور اب باپ بھی دنیا چھوڑ گیا تھا۔

سر سلطان کے آفس پہنچ کر عمران نے کار پارکنگ ایریا میں کھڑی کی اور نیچے اتر کر سر سلطان کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ ان کے پی اے نے سر سلطان کو انٹرکام پر اس کی آمد کی اطلاع دی تو سر سلطان نے فوراً اسے اندر بلا لیا۔

”بیٹھو۔ میں نے تمہیں یہ بتانے کے لئے بلوایا ہے کہ کاشین میں سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر ذیشان جسے عارضی طور پر ڈاکٹر طیب کی جگہ دی گئی تھی۔ وہ بھی آج صبح کاشین میں اپنے اپارٹمنٹ میں مردہ پایا گیا ہے۔ کاشین حکومت نے اسے بھی طبعی موت قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ”گولڈن آئی“ نامی ڈسک بھی لیبارٹری سے غائب ہے جو کہ سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ کو کنٹرول کرنے والے سپر کمپیوٹر کو آن لائن کرتی تھی۔“ — سر سلطان نے مختصر طور پر عمران کو مطلع کرتے ہوئے کہا جسے سن کر عمران کے چہرے پر فکر و تردد کی گہری لکیریں نمودار ہو گئیں۔

”اس کا ایک ہی مطلب ہے جناب۔ اور وہ یہ کہ کوئی خفیہ طاقت اس پراجیکٹ کے خلاف میدان میں آچکی ہے۔ مگر ڈاکٹر طیب اور ڈاکٹر ذیشان کی طبعی اموات سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اگر انہیں قتل کیا گیا ہے تو اس کے واضح ثبوت موجود ہونا چاہئیں تھے۔ معاملہ بے حد پراسرار ہو چکا ہے۔“ — عمران نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

”میں نے اسی مقصد کے لئے تمہیں بلوایا ہے۔ ان پراسرار واقعات کی فوری چھان بین ضروری ہے۔ ورنہ معاملات مزید خراب ہوتے چلے جائیں گے۔ سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ پاکیشیا اور کاشین کا ایک مشترکہ میگا پراجیکٹ ہے جس پر ہزاروں بلین ڈالر خرچ کئے جا چکے ہیں اور اب جبکہ یہ تیزی سے تکمیل کی طرف بڑھ رہا ہے تو اچانک یہ پراسرار واقعات پیش آ گئے ہیں جس وجہ سے یہ میگا پراجیکٹ غیر

معینہ مدت کے لئے کھٹائی میں پڑ گیا ہے۔ کیونکہ اس کے اصل روح رواں ڈاکٹر طیب ہی تھے۔ باقی سب لوگ ان کی محض معاونت کرتے تھے۔“ — سرسلطان نے پریشان لہجے میں عمران کو بتایا۔

”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس سیکرٹ سیٹلائٹ میگا پراجیکٹ کو شروع کرنے کا مقصد کیا تھا۔“ — عمران نے پرسوج انداز میں پوچھا۔

”ہاں۔ میں نے اس کی ماسٹر پلان فائل کا مطالعہ کیا ہے۔ اس کا اصل مقصد تو کچھ فلکی اجسام کی دریافت اور کثیر المقاصد استعمال کے لئے ان تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ کاشین اور پاکیشیا دونوں ہی بڑے زراعتی ملک ہیں اور ان فلکی اجسام میں کچھ ایسی مخفی طاقتیں موجود ہیں جو ایگریکلچر کو ایک سو برس ایڈوانس کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اور اس سیکرٹ سیٹلائٹ کو منفی مقاصد کے حصول کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لہذا میں تمہاری اس بات سے مکمل اتفاق کروں گا کہ کچھ خفیہ منفی طاقتوں کا اس پراجیکٹ کو ہائی جیک کرنے کے لئے حرکت میں آنا بعید از قیاس نہیں ہے۔ اور یہ خفیہ منفی طاقتیں پاکیشیا اور کاشین کے دشمن ہی ہو سکتے ہیں۔“ — سرسلطان نے مختصراً عمران کو اس سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ کے مقاصد سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ عمران کا دماغ گہری سوچوں کا منبع بنا ہوا تھا۔

”جناب میں نے صبح سپرنٹینڈنٹ فیاض کو قبرستان میں ایک رپورٹ پڑھتے دیکھا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ رپورٹ کاشین وزارت خارجہ نے

ارسال کی ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ کس قسم کی رپورٹ ہے۔“ عمران نے استفسار کیا۔

”کوئی خاص نہیں۔ دراصل کاشین گورنمنٹ نے درخواست کی ہے کہ پاکیشیا کے کسی اہم سرکاری عہدیدار کو کاشین بھیجا جائے۔ تاکہ ڈاکٹر طیب کی ذاتی اور سرکاری دستاویزات کے علاوہ دیگر سامان اس کے پیئڈ اور کیا جاسکے۔ سررحمان نے اس کام کے لئے سپرنٹینڈنٹ فیاض کو بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔“ — سرسلطان نے سرسری انداز میں بتایا۔

”اسی لئے وہ پھولا ہوا تھا۔ خیر آپ کیا چاہتے ہیں کہ مجھے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔“ — عمران نے ہونٹ کھینچتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں جانتا عمران کہ تمہیں کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں کرنا چاہئے۔ بہر حال اس سنگین ترین معاملے کی پراسراریت سے پردہ اٹھانا اتنا ہی ضروری ہے کہ جتنا ملکی سالمیت کے لئے جان تک قربان کر دینا۔ کل رات صدر مملکت اور پرائم منسٹر سے ہاٹ لائن پر میری بات ہوئی تھی اور وہ شدت سے اس بات کے خواہش مند ہیں کہ پاکیشیا سیکرٹ سروس اس نازک ترین معاملے کا کھوج لگانے کے لئے آگے آئے۔ چنانچہ میں تمہاری رائے جاننا چاہتا تھا۔“ — سرسلطان نے کہا۔

”میری رائے وہی ہے جو آپ کی ہے۔ یہ نہ صرف پاکیشیا کی سلامتی، عزت و وقار کا معاملہ ہے بلکہ کاشین کے ساتھ ہمارے دیرینہ دوستانہ تعلقات کو بھی قائم رکھنا ضروری ہے۔ میں نے پہلے ہی فیصلہ کر

لیا تھا کہ سیکرٹ سروس اس معاملے کو بھرپور طریقے سے ہینڈل کرے گی۔ میرا خیال ہے لائن آف ایکشن کے لئے ہمیں اس سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ کے بارے میں مزید تفصیلی معلومات درکار ہوں گی۔“ — عمران نے تفہیمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”یہ بہت آسان ہے۔ پراجیکٹ کا چیف انجینئر نیر۔ جس نے اس پورے پراجیکٹ کو ڈیزائن کیا ہے۔ وہ اس وقت یہیں پاکستان میں ہے۔ میں اسے جلد تمہارے پاس تمہارے فلیٹ پر بھیج دوں گا۔ اور وہ تمہیں باریک بینی سے اس پراجیکٹ کے بارے میں بریف کر دے گا۔“ سر سلطان نے جواب دیا۔

”جی بہتر۔ میں اس کا انتظار کروں گا۔ اب اجازت دیجئے۔“ عمران نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”اور ہاں۔ سنو۔ اگر تم وہ رپورٹ دیکھنا چاہتے ہو جو فیاض کے پاس ہے تو میں اسے فون کر دیتا ہوں۔“ — سر سلطان نے اسے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

”یہ بہت اچھی بات ہوگی۔ ویسے بھی فیاض ایک اہم کیس ہاتھ میں آجانے کے بعد مجھ جیسے عام بندے کو گھاس ڈالنے والا کہاں ہے اور رپورٹ میں ممکن ہے کوئی اہم نکتہ ہاتھ آجائے۔“ — عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا اور سر سلطان نے بے اختیار مسکراتے ہوئے نیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ عمران وہاں مزید نہیں رکا۔

پارکنگ میں اپنی کار میں بیٹھ کر وہ اتیلی جنس ہیڈ کوارٹر کی طرف

روانہ ہو گیا۔ جونہی وہ وہاں پہنچ کر فیاض کے دفتر میں داخل ہوا تو فیاض نے اسے دیکھتے ہی گرجنا بر سنا شروع کر دیا۔

”یہ تمہیں سر سلطان سے سفارشی کال کروانے کی ضرورت کب سے پیش آنے لگی ہے۔ خود اپنے طور پر نہیں آسکتے تھے اور کان کھول کر سن لو۔ میں تمہیں اس کیس میں ہاتھ ڈالنے نہیں دوں گا۔“ — فیاض کا غصہ اپنے عروج پر تھا۔

”ارے سوپر۔ تم تو خواہ مخواہ اپنا بلڈ پریشر ہائی کر رہے ہو۔ میں نے کبھی کسی دشمن کے بریف کیس میں ہاتھ نہیں ڈالا تو تمہارے ساتھ ایسا کیوں کروں گا۔ تم تو میرے دوست ہو۔ اور تمہارے بریف کیس کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔ ہو سکتا ہے تم نے اس میں اپنی تازہ ترین۔ وہ کیا کہتے ہیں۔ ہاں۔ ڈا۔۔۔ لنگ۔ مشین کے لئے کوئی عمدہ قیمتی، خوشبودار موبل آکل خرید رکھا ہو۔ تم کافی مہارت سے اپنے گھریلو اور غیر گھریلو کام کرتے ہو نا۔“ — عمران پھر نان سٹاپ بولنے پر تل رہا تھا مگر فیاض نے تقریباً چلا کر اس کی بات کاٹ دی۔

”یہ فضول کی الف بے بند کرو۔ تمہاری نوٹنکیاں دیکھ دیکھ کر میرے آدھے بال سفید ہو چکے ہیں۔ اب ان نہایت فضول نوٹنکیوں کے لئے کوئی اور در دیکھو۔“ — فیاض نے غصیلے لہجے میں کہا اور پھر دراز سے رپورٹ نکال کر عمران کے سامنے ٹیخ دی۔ عمران نے بے چارگی اور معصومیت کے انداز میں اسے اٹھایا اور منہ لٹکا کر پڑھنے لگا۔

کاشین وزارت خارجہ کی طرف سے جاری اس سرکاری تصدیق شدہ

رپورٹ میں ڈاکٹر طیب کی موت کو طبعی قرار دیا گیا تھا اور پاکیشیا حکومت سے درخواست کی گئی تھی کہ اس نازک معاملے کی چھان بین کے لئے کسی ذہین اور اعلیٰ سرکاری شخصیت کو کاشین بھیجا جائے اور سر رحمان نے اس کے لئے فیاض کا انتخاب کیا تھا۔ عمران نے رپورٹ پڑھ کر فیاض کو واپس کر دی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اس عام سی سرکاری رپورٹ کی روشنی میں تم وہاں کیا تیر مار سکو گے۔“ عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

”میں وہاں تیر اندازی کرنے نہیں جا رہا۔ پاکیشیا کے اس ٹاپ موسٹ اور نازک ترین معاملے کی تحقیقات کرنے جا رہا ہوں۔ اس کے علاوہ وہاں ڈاکٹر طیب اور ڈاکٹر ذیشان کی اہم دستاویزات موجود ہیں۔ وہ بھی پاکیشیا گورنمنٹ کو اپنی تحویل میں لینا ہیں۔ اب یہ مکمل طور پر انٹیلی جنس کا کیس ہے۔“ فیاض نے آخری فقرہ بارعب اور تمکنت بھرے انداز میں بولا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انٹیلی جنس اور خود اس کی اپنی ذات اس قابل ہے کہ ایسے غیر معمولی کیس کو ہینڈل کر سکے۔

”میں نے کب کہا ہے کہ یہ کارپوریشن کا کیس ہے۔ بہر حال تمہیں شاید وہاں کچھ دن رکنا پڑے۔ اور کھائے بغیر ظاہر ہے گزارہ نہیں ہو سکتا۔ خود میرا تجربہ ہے کہ کاشین والے روسنڈ مینڈک، تلی ہوئی چھپکلیاں، مگر مچھ کے قتلے، سانپوں کے تنکے کہاب اور چپیں چپیں کرتے حشرات الارض کی یخنی بغیر کسی تردد کے ڈکار مارے بغیر ہضم کر جاتے

ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ واپسی پر ہمیں سوپر فیاض کے بجائے ٹرڑاتا، بھنھناتا، پلپلاتا، چلچلاتا اور پیٹ پکڑے داش روم کی طرف دندناتا ایک بے چارہ۔ مظلوم فیاض دیکھنے کو ملے۔“ عمران نے گنگناتے ہوئے نہایت مسخرے پن سے کہا۔

”تم میری فکر میں دبلے مت ہونا۔ میں اپنی کیئر کرنا خوب جانتا ہوں۔ اب تم یہاں سے چلتے پھرتے نظر آؤ تاکہ میں اپنا کام شروع کر سکوں۔“ فیاض نے برا منانے کے بجائے پر شوخ انداز میں کہا۔ کیس ہاتھ میں آ جانے کی وجہ سے وہ کافی ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔

”خدا تم پر رحم فرمائے اور کاشینی چٹھاروں سے محفوظ رکھے۔“ عمران نے بڑبڑاتے ہوئے دعائیہ انداز میں کہا اور پھر وہاں سے باہر نکل آیا۔ اپنے کنگ روڈ کے فلیٹ میں پہنچ کر اس نے کار گیراج میں کھڑی کی اور زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ پہلے ہی زینے پر اسے ادھیڑ عمر شیر فروش دلاور بیٹھا نظر آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو ٹٹمارہے تھے۔ عمران اسے اس حالت میں دیکھ کر ٹھٹھکا۔

”کیا بات ہے دلاور۔ یہ تم بیمار بھینس کی طرح منہ سکڑائے یہاں کیوں بیٹھے ہو۔“ عمران نے حیرت سے پوچھا۔

”کیا بتاؤں عمران صاحب۔ وہ آپ کے ساتھ والے فلیٹ میں پچھلے دنوں ایک ڈسکو اسٹائل قسم کی لیڈی آ کر ٹھہری ہے بڑی خوفناک قسم کی لڑکی ہے۔“ دلاور نے بدستور آنسو بہاتے ہوئے روہانسی

آواز میں کہا۔

”ارے وہ ڈسکو ہے یا فتور۔ یہاں تو طرح طرح کے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ تمہیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اپنا کام کرو اور مزے کرو۔“ — عمران نے اسے سیدھا سادا مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے عمران صاحب۔ مگر پچھلے کئی دنوں سے وہ مجھ سے دودھ خرید رہی ہے۔ ابھی صبح جب میں دودھ دینے اس کے دروازے پر گیا تو اس نے گالیاں دینا شروع کر دیں اور کہنے لگی کہ تم دودھ میں گندا پانی ملاتے ہو۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔“ دلاور شیر فروش نے ٹوے بہاتے ہوئے کہا۔

”یہ تو اس نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ تم گندے پانی کی بجائے صاف پانی کیوں نہیں ملاتے۔“ — عمران نے کہا۔ اس کا انداز بظاہر سنجیدہ تھا۔

”تو بہ استغفار عمران صاحب۔ میں تو دودھ میں پانی ملاتا ہی نہیں۔ گندے اور صاف کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا سلیمان صاحب نے کبھی شکایت کی ہے۔ وہ بھی تو روزانہ دودھ لیتے ہیں۔“ — دلاور نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”ارے وہ تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے پانی مجھے پلا دیتا ہے اور دودھ خود ڈکار جاتا ہے۔ اب اسے کیا معلوم ہوگا کہ پانی گندا تھا یا صاف۔“ — عمران نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”نہ عمران صاحب نہ۔ خدا کو جان دینی ہے ایک دن۔ میں سب کو خالص دودھ دیتا ہوں۔ اور اس مشنڈی لڑکی کو تو سب سے صحت مند بھینس کا دودھ دے رہا تھا کہ بے چاری اکیلی ہے اور پردیسی ہے۔ لیکن اس نے تو الٹا مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ تنگ آ کر آج میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اب مزید ڈانٹ نہیں سہہ سکتا۔ آخر غیرت مند گوالہ ہوں۔ پشت در پشت یہ کام کر رہا ہوں۔ لہذا میں نے اس کی چھٹی کر دی ہے۔“ — دلاور نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”تو پھر اب مسئلہ کیا ہے تمہارا۔ گھر جاؤ اور بھینسوں کو نہلاؤ۔ یہاں بیٹھے روپیٹ کیوں رہے ہو۔“ — عمران نے کہا۔

”دراصل عمران صاحب۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ پچھلے پیسے دو اور حساب چکاتا کرو۔ مگر اس نے آنکھیں نکال کر کہا کہ وہ ایک کھوٹہ سکہ بھی نہیں دے گی۔ جاؤ جو کرنا ہے کر لو۔ میری خون پسینے کی کمائی ہے عمران صاحب۔ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔“ — اس نے بے چارگی سے کہا۔

”اچھا تو پیسوں کا مسئلہ ہے۔ کتنے پیسے لینے ہیں تم نے اس سے۔“ — عمران نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ایک ہفتہ اور دو دن کے پیسے بنتے ہیں پانچ سو پندرہ روپے۔“ دلاور نے انگلیوں پر حساب لگاتے ہوئے بتایا۔

”ہونہ۔ اتنی معمولی رقم کے لئے تم دبے ہوئے جا رہے ہو۔“ عمران نے کہا اور پھر جیب سے کچھ کرنسی نوٹ نکال کر اس کی طرف

بڑھا دیئے۔

”یہ لو چھ سو روپے۔ اب جاؤ اور اپنی پیاری بھینسوں کو تازہ چارہ کھلاؤ تاکہ وہ تازہ دودھ تمہارے حوالے کریں۔“ — عمران نے سنجیدہ انداز میں اسے تاکید کرتے ہوئے کہا۔

”نہ بابا نہ۔ میں آپ جیسے شریف آدمی سے پیسے کیوں لوں۔ ہاں اگر آپ میری مدد کرنا چاہتے ہیں تو اس ظالم لیڈی کو مجبور کریں کہ وہ میرے پیسے ادا کر دے۔ ورنہ روز حشر میں اس کا گریبان پکڑوں گا۔“ دلاور نے التجاء کرنے والے انداز میں کہا۔

”ارے بے وقوف۔ وہ عورت ذات ہے۔ اگر تم نے اس کا گریبان پکڑا تو فرشتے دُڑے مار مار کر تیری کھال اتار دیں گے۔ خبردار ایسی واہیات حرکت مت کرنا۔ یہ پیسے لو اور جا کر اپنا کام کرو۔ میرا دماغ مت چاٹو۔“ — عمران نے غصے سے کہا۔

”پیسے تو میں اسی لفنگی لوفر سے لوں گا۔ چاہے مجھے سارا دن یہاں بیٹھنا پڑے۔ میں سب کو اس کا کچا چٹھا سناؤں گا۔“ — دلاور نے اپنے موقف پر قائم رہتے ہوئے جواب دیا۔ عمران اس کی بات سن کر سر کھجانے لگا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

”چلو آؤ میرے ساتھ۔ میں اسے سمجھاتا ہوں کہ تمہیں دودھ کے بل کی ادائیگی کر کے تمہاری بددعاؤں سے بچے۔ لیکن آئندہ کے لئے ایک بات پلے باندھ لو کہ دودھ کا بل ہمیشہ ایڈوانس لیا کرو۔“ عمران نے کہا اور وہ خوش ہو کر عمران کے پیچھے چل پڑا۔ عمران نے اپنے

ساتھ والے فلیٹ کے سامنے آ کر اس کی کال بیل دبائی تو چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور اس کے سامنے ایک اینگلو انڈین ماڈل گرل ٹائپ بیس بائیس سال کی دوشیزہ کھڑی تھی۔ بوائے کٹ اشاکش بال اور منی اسکرٹ میں وہ خاصی اسمارٹ لگ رہی تھی مگر اس کی شکل و صورت اور جسمانی خدوخال خاص پرکشش نہیں تھے۔ لمبے قد اور مضبوط فولادی جسم کی وجہ سے وہ مارشل آرٹ چیمپین لگتی تھی۔ سلیمان نے بتایا تھا کہ وہ کسی انٹرنیشنل ایئر لائن کمپنی میں ایئر ہوسٹس ہے۔

”میڈم۔ وہ دراصل۔ میں اس گوالے کے ساتھ آیا ہوں۔ اوہ نہیں بلکہ یہ مجھے اپنے ساتھ لایا ہے۔“ — عمران نے گڑبڑاتے ہوئے انداز میں کہا۔

”اس کے ساتھ۔ مگر کیوں۔“ — اینگلو انڈین دوشیزہ نے کینہ تو ز نظروں سے دلاور کو گھورتے ہوئے کہا۔

”میڈم۔ یہ غریب آدمی ہے۔ رو رہا تھا کہ آپ نے اس کے دودھ کا بل نہیں دیا۔ معمولی سی رقم ہے۔ دے دیں۔ آپ کو دعائیں دے گا۔“ — عمران نے معصومیت سے کہا۔

”ڈیم فول۔ یہ آپ کو وکالت کے لئے لایا ہے یا بد معاشی کے لئے۔“ — ایئر ہوسٹس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”بد معاشی۔ ارے نہیں میڈم۔ میں تو چھپکلی کو سامنے دیکھ کر ڈر جاتا ہوں بد معاشی کیا کروں گا۔ میں آپ کا ہمسایہ ہوں۔ ساتھ والے فلیٹ میں رہتا ہوں۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ ہمسایہ ہونے کی وجہ سے یہ سفارش

کے لئے مجھے لایا ہے۔“ — عمران نے مسمسے سے لہجے میں کہا اور ایئر ہوسٹس منحسے میں پڑ گئی۔

”دراصل بات پیسوں کی نہیں۔ بلکہ میں اس دھوکے باز کو سبق سکھانا چاہتی تھی۔ اب آپ آئے ہیں تو میں اسے پیسے دے دیتی ہوں۔“ — ایئر ہوسٹس نے روکھے سے لہجے میں کہا اور مڑ کر فلیٹ کے اندرونی کمرے میں چلی گئی۔ کافی دیر انتظار کے باوجود وہ واپس نہیں آئی۔

”ارے میڈم۔ کہاں رہ گئیں آپ۔ اگر پیسے نہیں ہیں تو پھر کبھی دے دیں۔ ہم چلے جاتے ہیں۔“ — عمران نے ہانک لگائی اور عین اسی لمحے داخلی دروازے کے عقب سے ایک بھاری بھر کم ہاتھ نمودار ہوا جو گھونے کی شکل میں تھا اور وہ گھونسا زنائے دار طریقے سے عمران کے چہرے پر لگا اور وہ بری طرح ہلبلاتا ہوا رابرداری کی عقبی دیوار سے ٹکرا کر زمین بوس ہو گیا۔ اس کی آنکھوں تلے رنگین ستارے رقص کرنے لگے۔ اس کی ناک پھٹ چکی تھی اور خون بہنے لگا تھا۔ دوسرے لمحے ایک بھوت نما نیگرو حبشی دروازے کے عقب سے برآمد ہو کر عمران کے سر پر آکھڑا ہوا۔ اس گرانڈیل نیگرو کا قد آٹھ فٹ سے کم نہیں تھا اور جسم پورے کا پورا جیسے فولاد کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ سرخ آنکھوں اور لمبے نوکیلے دانتوں کی نمائش کرتا ہوا وہ جھکا اور عمران کو بازو سے دبوچ کر اس نے ایک ہی ہاتھ سے اسے اٹھا کر فلیٹ کے اندر بیچ دیا۔ عمران بری طرح سسکارتا ہوا نشست گاہ کے ایک صوفے سے ٹکرا

کر وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دلاور یہ منظر دیکھتے ہی چھلاوے کی طرح زینے پھلانگتا ہوا وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

سیاہ فام نیگرو نے فلیٹ میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر دیا اور مڑ کر عمران کی طرف بڑھا۔ اس کا انداز خاصا جارحانہ تھا۔ اسی لمحے اینگلو انڈین ایئر ہوسٹس بھی اندرونی بیڈ روم سے نکل کر وہاں آ گئی۔ اس کے چہرے پر تلخ سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ پستل چمک رہا تھا۔

”ارے باپ رے۔ میری توبہ۔ آئندہ کبھی کسی کی سفارش نہیں کروں گا۔“ — عمران تکلیف کی شدت سے کراہتا ہوا بولا اور اس کے ساتھ ہی نیگرو نے ایک بھر پور ٹھوکر اس کی دائیں پہلو پر لگائی۔ عمران کی پسلیاں کڑکڑا گئیں اور وہ درد سے دوہرا ہو گیا۔

”تمہیں اس قابل نہیں چھوڑا جائے گا مسٹر علی عمران کہ لوگوں کی سفارشیں کرتے پھرو۔“ — اینگلو انڈین ایئر ہوسٹس نے زمین پر عمران کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔

”وہ فائل کہاں ہے جو سر سلطان نے تمہیں دی ہے۔ سیکرٹ سینیلائٹ پراجیکٹ کی فائل۔“ — اس نے زہرپاش نظروں سے عمران کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

”ردی میں بیچ دی تھی۔ ٹوتھ پیسٹ خریدنے کے لئے۔“ عمران نے معصوم سی صورت بناتے ہوئے کہا۔ درد کی شدت سے اس پر غشی طاری ہو رہی تھی اور وہ بخوبی سمجھ گیا تھا کہ وہ اس شیکرٹ فائل کی بات

کر رہی ہے جو سر سلطان نے ڈرافٹسمن نیئر کے ہاتھ اسے بھیجی تھی مگر وہ تو ابھی آیا بھی نہیں تھا۔

”بلا نکو۔ اس مسخرے کا پوسٹ مارٹم شروع کرو۔ یہ آسانی سے تو کیا مشکل سے بھی آمادہ ہونے والا نہیں ہے۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔“ ایئر ہوسٹس نے زہر خند لہجے میں نیگرو جیشی کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

”لیس مادام۔ میں ابھی اس مسخرے کی ہڈیاں اور پسلیاں الگ کئے دیتا ہوں۔“ نیگرو جس کا نام بلا نکو تھا خونخوار لہجے میں بولا اور اگلے لمحے اس نے عمران کے جسم پر تار بڑ توڑ ٹھوکروں کی بارش کر دی اور عمران کی چیخوں سے فلیٹ گونجنے لگا۔ اور پھر آہستہ آہستہ اس کی چیخیں دم توڑ گئیں۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

پندرہ فٹ کے مربع شکل کمرے میں مدہم سی سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کمرے کی شکل گول گنبد نما تھی۔ کمرے کی دیواروں اور چھت پر عجیب البیت اژدہوں اور مگر مچھوں کی تصویریں پینٹ کی گئی تھیں جو دیکھنے والے پر پہلی ہی نظر میں پر اسراریت اور وحشت کی کیفیت طاری کر دیتی تھیں۔ اژدہوں اور مگر مچھوں کی تصویریں مختلف اینگلز پر مشتمل تھیں۔ کسی اژدہ کے پرندوں جیسے پر تھے اور وہ اڑتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔ کوئی اژدہ اپنے منہ سے آگ کا بھانبر نکال رہا تھا۔ کوئی کسی انسان کے گرد کندلی مارے ہوئے تھا اور مگر مجھ بھی تقریباً اسی طرز سے پینٹ کئے گئے تھے۔ کمرے کا ماحول اس قدر طلسماتی تھا کہ خوف اور ڈر کی تیز لہریں رگ و پے میں سرایت کرتی محسوس ہوتی تھیں۔ فرش پر دبیز قالین تھا اور اس پر بھی ایسے ہی ”ہولناک شاہکار“ نظر آرہے تھے۔ حتیٰ کہ کمرے کے درمیان میں رکھی ایک مستطیل میز پر بھی ایسا ہی

بھیانک منظر نظر آ رہا تھا۔ اس کا آدھا حصہ عفریت نما اژدہا ہے اور دہانہ کھولے اپنے خونخوار لمبے تیز نوکیلے دانتوں کی نمائش کرتے مگر مجھ پر مشتمل تھا۔ اس وحشت انگیز میز کے اطراف چار کرسیاں رکھی ہوئی تھیں وہ بھی آگ اگلنے اژدہوں جیسی تھیں۔ یہ ڈریگن ماسٹر کا ذاتی چیمبر تھا۔

کمرے کا اندرونی منظر ڈریگن منظر پیش کر رہا تھا۔ ڈریگن کا چان، کلیویا اور کاشین کے ایسے خوفناک فائزر ہیں جن کے لباس اژدہوں اور مگر مچھوں کی کھال جیسے ہوتے ہیں اور بعض ٹاپ کلاس ڈریگن اپنے کندھوں پر ایسے پر بھی لگانے کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ جنہیں پھڑ پھڑا کر وہ کافی فاصلے تک اڑتے چلے جاتے ہیں اور ان کی سب سے غیر معمولی صلاحیت یہ ہے کہ وہ منہ اور نتھنوں سے گاہے بہ گاہے آگ کے تیز بھانبر بھی خارج کرتے ہیں جس کی زد میں آنے والا لحوں میں بھسم ہو کر کوئلہ بن جاتا ہے۔

کمرے میں چار آدمی میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ شمالی سمت میں بیٹھا ہوا شخص کیونسٹ ملک ناردرن کلیویا کا ٹاپ ریک ڈریگن ماسٹر تھا۔ اس کے سامنے والی کرسی پر کلیویا کا فیڈرل فارن مسٹر شیانگ فائی بیٹھا تھا۔ وہ درمیانی عمر کا ایک پستہ قامت، چوڑے بدن کا مالک تھا۔ اس کے گول چہرے پر چچک کے نشانات تھے۔ سر بالوں سے مکمل طور پر فارغ ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شاطرانہ چمک صاف نظر آرہی تھی۔ ڈریگن ماسٹر کے دائیں سمت جو شخص موجود تھا وہ پستہ

قامت مگر قدرے دبلے جسم کا مالک تھا۔ البتہ اپنے لمبوترے چہرے اور گول آنکھوں کے عجیب و غریب تاثرات سے وہ غیر معمولی نظر آتا تھا اور حقیقتاً ایسا ہی تھا۔ اس کا نام چانگ شی تھا۔ ٹیلی پیٹھی اور پیناٹزم کی حیرت انگیز ماورائی قوتوں کا مالک۔ وہ کسی بھی انسانی دماغ میں اپنی ٹیلی پیٹھک لہریں داخل کر کے اس کے شعور اور لاشعور میں موجود ہر چیز کو پڑھنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ وہ ان مخفی علوم کا بے تاج بادشاہ تھا۔ ڈریگن ماسٹر کے بائیں سمت ایک اینگلو انڈین دراز قامت دوشیزہ طمطراق سے بیٹھی تھی۔ بوائے کٹ ہیر اسٹائل میں وہ خاصی اسمارٹ تو لگ رہی تھی مگر وہ ظاہری شکل و صورت اور جسمانی لحاظ سے خاص پرکشش نہیں تھی۔ لمبے قد اور مضبوط فولادی جسم کی وجہ سے وہ ایک بھر پور مارشل آرٹ چیمپین دکھائی دیتی تھی۔ اس کا نام مادام فاشا تھا اور وہ ڈریگن کے فائنگ گروپ کی سب سے بہترین لیڈی فائزر تھی۔ ڈریگن اس پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔ وہ اینگلو انڈین فائزر تھی۔

”ماسٹر۔ تمہاری طلب کردہ رقوم تمہارے سیکرٹ بینک اکاؤنٹس میں ٹرانسفر کر دی گئی ہیں اور اب ہائی کمان چاہتی ہے کہ آپریشن بلیک آئی فوراً شروع کر دیا جائے۔ تمام ضروری معلومات پر مشتمل سی ڈی ڈسک مادام فاشا کو فراہم کر دی گئی ہے۔ اب صرف تمہارے حرکت میں آنے کا انتظار ہے۔“ کلیویائی فارن مسٹر نے مدبرانہ لہجے میں ڈریگن سے مخاطب ہو کر کہا۔

”تمام حقائق میرے سامنے ہیں مسٹر شیانگ۔ آپ مطمئن ہو

جائیں کہ آپریشن بلیک آئی کی شروعات ہو چکی ہیں۔ اب یہ سارا مشن صرف اور صرف مجھ سے منسلک ہے۔ میں کیا کرتا ہوں اور کب کرتا ہوں۔ اس بارے میں آپ کو کسی تشویش و تردد میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنی مخصوص پلاننگ کے مطابق کام کرتا ہوں۔“ ڈریگن ماسٹر نے اژدہ کی کھال جیسا گھاگرا اپنے گھٹنوں پر سمیٹتے ہوئے سپاٹ لمبے میں جواب دیا۔

”ہم جانتے ہیں ماسٹر۔ اور ہمیں اس آپریشن کی کامیابی کا سو فیصد یقین ہے۔ لیکن اس کے باوجود چند باتیں اتنی اہم ہیں کہ قبل از وقت تمہارے علم میں لانا ضروری ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ دراصل کاشین اور پاکیشیا کا مشترکہ میگا پراجیکٹ ہے اور اس کے تحت ایک جدید ترین سیٹلائٹ خلاء میں بھیجا جا چکا ہے۔ اکیسویں صدی کے اس سب سے بڑے سیٹلائٹ پراجیکٹ کا ایک ہی مقصد ہے یعنی پاکیشیا اور کاشین کے ایگریکلچر سسٹم کو کم از کم ایک سو سال ایڈوانس کرنا۔ وہ سیکرٹ سیٹلائٹ سے خلاء میں موجود فلکی اجسام میں ایسے ”ڈیوفیکٹرز“ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جنہیں ایک پیچیدہ کیمیائی سائنسی عمل سے مخصوص معدنیاتی ٹینکیوں میں جمع کر کے فضا سے بارش کی شکل میں اپنے ممالک کی زمینوں پر برسائیں گے۔ اس کے علاوہ موسموں کو اپنے حسب منشاء تبدیل کرنے کی حیرت انگیز صلاحیتیں حاصل کر لی جائیں گی اور دونوں ملکوں کا ایگریکلچر سسٹم پوری دنیا سے ایک سو سال آگے نکل جائے گا۔ ہمیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ

وہ ایسی حیرت انگیز ترقی کیوں چاہتے ہیں۔ دراصل ہمارے اپنے عزائم ہیں جن کی تکمیل کے لئے ہم مناسب مواقع کی تلاش میں ہیں۔ کلیویا ایک کمیونسٹ ملک ہے اور اکیمریسیا سمیت پوری دنیا کی سپر پاورز ہمیں انتہا پسند قرار دیتی ہیں اور ہم پر ہر طرح کی اخلاقی معاشی اور تجارتی پابندیاں لگا کر ہمارا ناطقہ بند کر دیا گیا ہے۔ کاشین جو کہ ہمارا ہمسایہ ملک ہے اور مستقبل قریب میں دنیا کی سب سے بڑی ایٹمی سپر پاورز بننے والا ہے۔ وہی ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ چنانچہ ہائی کمان کی ایک ٹاپ موسٹ میننگ میں یہ حتمی فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ اپنی بقاء اور سلامتی کے لئے ہم کاشین اور پاکیشیا کے اس مشترکہ پراجیکٹ کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کریں۔ آپریشن کا نام بلیک آئی تجویز کیا گیا ہے اور اس کی مکمل تفصیلات مادام فاشا کے پاس موجود ہیں۔“ فارن منسٹر شیانگ نے تفصیل کے ساتھ آپریشن کی جزئیات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ وہ سب خاموشی سے شیانگ کی بریفنگ سنتے رہے۔ ایک مختصر خاموشی کے بعد شیانگ نے اپنی گفتگو کو مزید آگے بڑھایا۔ اب وہ آپریشن بلیک آئی کے ممکنہ رد عمل پر بات کر رہا تھا۔

”اگرچہ پاکیشیا کے ساتھ ہماری براہ راست کبھی کوئی دشمنی نہیں رہی لیکن کہتے ہیں کہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے۔ آپریشن بلیک آئی کے خلاف پاکیشیا کا شدید رد عمل یقینی طور پر سامنے آئے گا اور ہمیں سب سے زیادہ خطرہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کی طرف سے ہے۔ اور ایک شخص ایسا بھی ہے جو ہمارے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن

سکتا ہے۔ ظاہری طور پر وہ ایک احمق، مسخرہ اور کھنڈرا آدمی معلوم ہوتا ہے لیکن در پردہ وہ حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے۔ بین الاقوامی جرائم کی زیر زمین دنیا میں اس کا نام ایک عفریت کی طرح گونجتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے، جو چاہتا ہے، اور جہاں چاہتا ہے سب کچھ کر گزرتا ہے۔ دشمن سے پچھاڑ کھا کر بھی وہ ہمیشہ سرخرو رہتا ہے۔ اس کا نام عمران ہے۔ پاکیشیا کا سیکرٹ سپرائیجٹ علی عمران۔ شیانگ نے عمران کی مختصر ہسٹری ڈریگن ماسٹر کے گوش گزار کرتے ہوئے کہا۔ مگر ڈریگن خاموشی سے بے تعلقی کا ایسا تاثر دینے لگا جیسے وہ عمران جیسے لوگوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

”میری یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا ماسٹر۔ اگر وہ شخص عمران تمہارے راستے میں آتا ہے تو اس کی طرف سے مکمل ہوشیار رہنا۔ ہو سکے تو آپریشن شروع کرنے سے پہلے اس کا کاٹنا صاف کر دینا ورنہ مجھے پختہ یقین ہے کہ وہ آپریشن بلیک آئی کا بیڑہ غرق کرنے ضرور نمودار ہوگا۔ میں یہ بات اپنے طویل تجربے کی بنیاد پر پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں۔“ شیانگ نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

”میں اس معاملے پر غور کروں گا۔ فی الحال آپ جا سکتے ہیں تاکہ ہم اپنا آپریشن جلد شروع کر سکیں۔“ ڈریگن ماسٹر نے سپاٹ لہجے میں کہا اور کلیویائی فارن منسٹر شیانگ اٹھ کر وہاں سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد کچھ دیر ڈریگن گہری سوچ میں گم رہا اور پھر بالآخر وہ اپنی فائٹر لیڈی مادام فاشا کی طرف متوجہ ہوا۔

”یہ شخص شیانگ دنیا بھر کے شاطروں کا گاڈ فادر ہے۔ اپنی حیرت انگیز تربت چالوں سے اس نے بارہا ایکریمیائی حکومت اور ڈیفنس ڈیپارٹمنٹ پیگن کو ناکوں پہنے چبوائے ہیں۔ مجھے اس کی باتوں میں بہت وزن محسوس ہوا ہے۔ اور پھر میں نے خود بھی اس سپرائیجٹ عمران کا نام انڈر ورلڈ کے سوراؤں کی زبان سے کئی مرتبہ سنا ہے۔ حقیقتاً وہ اسے چھلاوہ قرار دیتے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ آپریشن کے آغاز میں ہی اس کا کاٹنا صاف نہ کر دیا جائے۔“ ڈریگن ماسٹر نے پرسوج لہجے میں کہا۔

”میں آپ کی بات سے اتفاق کرتی ہوں چیف۔ اگر ہم اس عمران کو راستے سے ہٹا دیتے ہیں تو پورے اطمینان سے آپریشن جاری رکھ سکیں گے۔ جب بانس ہی نہیں رہے گا تو بانسری کیسے بجے گی۔“ مادام فاشا نے جو شیلے لہجے میں کہا۔

”اٹ از آل رائٹ۔ تم اس مشن کے لئے پاکیشیا چلی جاؤ۔ تمام وسائل تم استعمال کر سکتی ہو لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ عمران کی فوری ہلاکت ضرورت نہیں۔ اگر تم اسے زندہ لانے میں کامیاب ہو جاؤ تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آخر وہ کون سی انوکھی چیز ہے جو اسے دوسروں سے منفرد کرتی ہے۔“ ڈریگن ماسٹر نے استعجاب آمیز انداز میں کہا۔

”یہ مشکل کام نہیں ہے چیف۔“ فاشا نے پر یقین لہجے میں جواب دیا۔ چنانچہ ڈریگن ماسٹر نے اسے بھی فوری روانگی کا حکم دے

دیا۔ مادام فاشا کے وہاں سے جاتے ہی ڈریگن چانگ شی کی طرف متوجہ ہوا۔

”اب تمہارا مشن شروع ہوگا چانگ شی۔ تمہیں سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر طیب کو اپنی ٹیلی پیٹھی اور پیناٹزم کی پر اسرار قوتوں کے بل بوتے پر اپنا اسپر بنانا ہوگا۔ اس ایکشن پلان کی تمام تفصیلات تمہیں مادام فاشا فراہم کرے گی۔ اس وقت وہ اپنے لیونگ روم میں موجود ہوگی۔ تم وہاں اس سے مل کر تفصیلات حاصل کر سکتے ہو۔“ ڈریگن ماسٹر نے تحکمانہ لہجے میں اس سے کہا اور چانگ شی اثبات میں سر ہلاتا ہوا ڈریگن کے چیمبر سے باہر نکل آیا۔

دروازے سے نکل کر وہ ایک گول اور وسیع وعریض ہال میں داخل ہوا۔ یہ گنبد نما ہال فرش سے چھت تک نصف گیند کی شکل میں تھا۔ جس کے ہر تین چار فٹ کے فاصلے پر اسٹیل کے دروازے آویزاں تھے۔ ہر دروازے پر ایک نمبر درج تھا۔ چانگ شی کمرہ نمبر تین کی طرف بڑھا اور دروازے کی سائیڈ پر لگا ایک بٹن پیش کر دیا۔ چند لمحوں بعد وہ دروازہ کسی لفٹ کے دروازے کی طرح درمیان سے کھل گیا۔ چانگ شی اندر داخل ہو گیا۔ یہ ایک لیونگ روم تھا جو مختلف اشیاء سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں مختلف قسم کے مارشل آرٹ کے ہتھیار اور آتشیں اسلحہ شیٹے کی دیوار گیر الماریوں میں سجا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک کونے میں مادام فاشا چھوٹی سی میز کی سائیڈ پر ریوالونگ چیمبر پر بیٹھی تھی۔ میز پر ایک سپر کمپیوٹر رکھا ہوا تھا اور مادام فاشا کی انگلیاں تیزی سے کی بورڈ پر حرکت

کر رہی تھیں۔ کمپیوٹر سکرین پر مختلف ڈیٹا تیزی سے نمودار ہو کر سکرین کی اوپری سطح پر مدغم ہو رہا تھا۔ اچانک اس کے سامنے ”عمران فراہم پاکیشیا“ کی ہیڈ لائن نظر آئی تو مادام فاشا نے بٹن دبا کر اسے ہائی لائٹ کر دیا۔ پھر وہ چانگ شی کی طرف مڑی۔

”ماسٹر نے مجھے ڈاکٹر طیب کے بارے میں ڈیٹا تمہیں فراہم کرنے کا سگنل بھیجا ہے۔ میں اس کا ایک پرنٹ آؤٹ تمہیں دے دیتی ہوں۔ تم اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔“ مادام فاشا نے سپاٹ لہجے میں کہا اور پھر اس نے ڈاکٹر طیب کی کمپیوٹر فائل تلاش کر کے لیزر پرنٹر پر اس کا ایک پرنٹ آؤٹ کاغذ پر نکال کر چانگ شی کے حوالے کر دیا۔ چانگ شی نے اسے تہہ کر کے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

”میں آج رات کی فلائٹ سے پاکیشیا جا رہی ہوں۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ سفر کر سکتے ہو۔ کیونکہ یہ فلائٹ کچھ دیر کے لئے کاشین کے دارالحکومت پیکانگ ایئر پورٹ پر رکے گی۔ تم وہاں اتر جانا۔“ مادام فاشا نے کہا۔

”اچھی بات ہے۔ تمہارے ساتھ سفر کر کے مجھے خوشی ہوگی۔ لیکن مجھے کچھ دن وہاں قیام کرنا پڑے گا۔ ٹیلی پیٹھک اور پیناٹزم کی مخفی قوتوں کو متحرک کرنے کے لئے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔“ چانگ شی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میں جانتی ہوں۔ تم اپنا کام بہترین طریقے سے انجام دو۔ وقت کی قید کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ چیف باس ہمیشہ کامیابی کو ترجیح دیتا ہے۔“

مدد سے نمایاں کیا گیا تھا۔ اس کے چارستون چار موسموں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ ہرستون کی تین تہیں تھیں جو بارہ مہینوں اور بارہ برسوں کو ظاہر کرتی تھیں۔ یہ آسمانی مندر ایک سرسبز و شاداب ڈھلوانی علاقے میں تھا جس کے ارد گرد مزید چھوٹے چھوٹے مندر بھی تھے۔ یہ کلیویا کا خاص ٹیمپل زون تھا۔ سچر ڈے کے دن کلیویائی باشندے لاکھوں کی تعداد میں عبادت کے لئے آتے تھے۔ مندر کے بیرونی سبزہ زاروں کے ایک حصے میں کئی منزلہ سفید عمارت تعمیر کی گئی تھی جہاں بدھا کے بھکشو اور اس کی تعلیم حاصل کرنے والے طالب رہتے تھے۔ چانگ شی اسی ہوٹل نما عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں اس کا رہائشی کمرہ تھا۔

کلیویا حکومت نے نہایت رازداری اور جدید کنسٹرکشن ٹکنیک کی مدد سے مندر کی قدیم عمارت کے عین نیچے وسیع و عریض پیمین تعمیر کی تھی جو آپریشن بلیک آئی کا سیکرٹ ہیڈ کوارٹر تھا۔ ایسا اس لئے کیا گیا تھا کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت یہ شک نہیں کر سکتی تھی کہ آسمانی مندر کے نیچے کیا خفیہ سرگرمیاں انجام دی جا رہی ہیں۔ دوسری منزل پر اپنے کمرہ نمبر ایک سو ایک میں داخل ہو کر چانگ شی نے ڈاکٹر طیب کے بارے میں پرنٹ آؤٹ جیب سے نکال کر اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ضروری معلومات ذہن نشین کر کے اس نے پرنٹ آؤٹ میز کی دراز میں رکھ دیا اور پھر کاشین روانگی کے لئے تیاری کرنے لگا۔ ٹھیک گیارہ بجے وہ کلیویا کے دارالحکومت کنگ چو کے انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر پہنچ چکا تھا۔

کار پارکنگ میں کھڑی کر کے وہ بین الاقوامی ڈیپارچر لاونج کی طرف بڑھ گیا۔

مادام فاشا اور اس کا ساتھی بلائکو پہلے ہی وہاں پہنچ چکے تھے۔ فلائٹ پاکیشیا روانگی کے لئے تیار تھی۔ بورڈنگ سے گزر کر وہ طیارے میں سوار ہو گئے اور مقررہ وقت پر فلائٹ ٹیک آف کر گئی۔ چار گھنٹے کی پرواز کے بعد طیارہ کاشین کے پیکا ٹنگ انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر اتر گیا۔ یہاں اس نے چند منٹ ہی قیام کرنا تھا۔ چنانچہ چانگ شی وہاں طیارے سے اتر گیا۔ ایئر پورٹ سے باہر آ کر اس نے ایک ٹیکسی لی اور پیکا ٹنگ کے سب سے بڑے سیون اشار ہوٹل فالکن میں پہنچ گیا جہاں اس کے لئے ایک سپر ڈیلکس لگژری سوئٹ پہلے سے ریزرو تھا۔ کچھ دیر تازہ دم ہونے کے بعد وہ اپنے ہوٹل سے نکلا اور ایک ہائر کی ہوئی جیب میں شہر کے باہر صحرائی علاقے میں واقع سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ کے پیس پلانٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کاشین کا یہ وسیع صحرائے گوچی ہزاروں کلومیٹر کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔

پیس پلانٹ ایک نوگوز ایریا میں قائم کیا گیا تھا۔ کسی عام آدمی کو اس علاقے میں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ سکیورٹی چیکنگ اس قدر سخت تھی کہ چڑیا بھی وہاں پر نہیں مار سکتی تھی۔ ایک گرینڈ ڈیزرٹ روڈ پیس پلانٹ کے قریب سے گزر کر آگے چلی جاتی تھی۔ اس گرینڈ ڈیزرٹ روڈ پر تقریباً دو سو کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک ذیلی سڑک جس کا نام پاکیشیا کے نام پر پاکیشیا روڈ رکھا گیا تھا وہ بائیں سمت

مڑ کر تقریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر سیدھی سپیس پلانٹ کے مرکزی گیٹ تک چلی جاتی تھی۔ اس سڑک پر سیورٹی اتنی جدید ترین اور کیمیائی سائنٹیفک انداز میں قائم کی گئی تھی کہ مٹی کا ایک ذرہ بھی اڑ کر سڑک پر داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ گرینڈ روڈ سے پلانٹ کے مرکزی گیٹ تک اس پاکیشیا روڈ پر دس فٹ بلند مخصوص بلٹ پروف اور بم پروف شیشے کی دو روپہ دیواریں لگائی گئی تھیں اور ان دیواروں پر اسی شیشے کی چھت بنائی گئی تھی۔

خاص قسم کے شیشے سے بنائی گئی ان دیواروں اور چھت کے اندر سرخ رنگ کا پارہ نما ایک کیمیائی لیکویڈ گردش کر رہا تھا اور شیشے سے چھونے والی ہر جاندار شے چشم زدن میں پانی کی طرح پگھل کر ہوا میں تحلیل ہو جاتی تھی۔ خواہ وہ کوئی پرندہ ہو یا انسان۔ پرندوں کو اس سے دور رکھنے کے لئے خاص قسم کی دھات کا جال چاروں سمت پھیلا دیا گیا تھا جس سے ٹکرا کر پرندے خود بخود واپس چلے جاتے تھے۔ شیشے کی دیواروں اور چھت کی وجہ سے یہ روڈ ٹنل کی شکل اختیار کر گئی تھی اور اس کے اندر جا بجا مودی کیمرے آویزاں کئے گئے تھے جو سپیس پلانٹ میں کام کرنے والے ہر شخص کی لمحہ بہ لمحہ ریکارڈنگ کرتے تھے۔ کوئی چیز ان کی زد سے بچ نہیں سکتی تھی۔

کاشمیں اور پاکیشیا کے اس مشترکہ سیٹلائٹ سسٹم کے اس حساس ترین سپیس پلانٹ کی سفید عمارت میں لیبارٹریوں کا ایک وسیع و عریض جال پھیلا ہوا تھا اور یہیں سے اس پورے خلائی پراجیکٹ کو کنٹرول کیا

جاتا تھا۔ چانگ شی کو پراجیکٹ کے نمبروں ڈاکٹر طیب کو قابو کرنے کا جو مشکل ترین ٹاسک دیا گیا تھا۔ اس پر عمل درآمد کا اب وقت آچکا تھا۔ چانگ شی نے اس انوکھے کڈ نیپ کے لئے اپنی مخفی ٹیلی پیٹھک اور پینانزم کی پراسرار قوتوں کو بروئے کار لانا تھا اور اس حیرت انگیز کارروائی کے لئے اسے اس جگہ کے ماحول کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا تھا جہاں ڈاکٹر طیب موجود تھے اور ظاہر ہے وہ اپنا زیادہ تر وقت اس سپیس پلانٹ کی لیبارٹریوں میں ہی گزارتے تھے۔

سپیس پلانٹ کی طرف جانے والی ذیلی پاکیشیا روڈ سے کچھ پہلے گرینڈ ڈیزرٹ روڈ پر ایک سیورٹی چیک پوسٹ پر اسے روک لیا گیا چونکہ یہ نوگوز ایریا تھا اس لئے سخت چیکنگ کے بغیر کسی کو آگے جانے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ کئی اسٹین گن بردار سیورٹی کمانڈوز نے تیزی سے چانگ شی کی ڈائج جیپ کو گھیرے میں لے لیا۔ پھر ایک سیورٹی چیف اس کی طرف لپکا اور عقابانی نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

”کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ حساس ترین علاقہ ہے۔ اور یہاں عام سفر کی اجازت نہیں ہے۔ آپ کہاں جا رہے ہیں۔“ سیورٹی چیف نے اکھڑ پن سے کہا۔

”میں جانتا ہوں جناب۔ مگر گرینڈ ڈیزرٹ روڈ پر سفر کرنا ممنوع نہیں ہے۔ میں یہاں سے سیدھا اگلے شہر کی طرف جا رہا ہوں۔“ چانگ شی نے مطمئن انداز میں جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ مگر اس ڈیزرٹ روڈ پر سفر کرنے کے لئے بھی خصوصی اجازت نامے کی ضرورت ہے۔ کیا آپ کے پاس وہ اجازت نامہ ہے۔“ — سکیورٹی چیف نے بدستور سخت لہجے میں پوچھا۔

”دراصل مجھے ایمرجنسی طور پر سفر کرنا پڑا ہے۔ میرا چھوٹا بھائی جو اگلے شہر میں رہتا ہے۔ اس کا ایکسڈنٹ ہو گیا ہے۔ مجھے جلد از جلد وہاں پہنچنا ہے اس لئے خصوصی پاس حاصل نہ کر سکا۔“ — چانگ شے نے چہرے پر سوگواری کے تاثرات ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ مگر اس کی آواز پرسکون تھی۔ سکیورٹی چیف کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے اپنے کمانڈوز کو چانگ شے اور اس کی جیپ کی تلاشی لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ تیزی سے اس کام میں مصروف ہو گئے مگر کوئی مشکوک چیز نہ مل سکی۔

”ٹھیک ہے۔ میں ایمرجنسی کیس کی وجہ سے تمہیں جانے کی اجازت دے رہا ہوں۔ مگر خصوصی پاس کے بغیر دوبارہ اس روڈ پر کبھی نہ آنا۔ کیونکہ تمہیں جگہ جگہ مختلف چیک پوسٹوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔“ سکیورٹی چیف نے سخت ہدایات کرتے ہوئے کہا اور چانگ شے نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی جیپ آگے بڑھا دی۔ شیشے سے کور کی ہوئی مثل نما پاکیشیا روڈ کو کراس کرتے ہوئے وہ اپنی جیپ کو سیدھا لے گیا۔ پاکیشیا روڈ کے آغاز پر ایک غیر معمولی چیک پوسٹ قائم کی گئی تھی جہاں سکیورٹی چیکنگ کے ایسے جدید ترین حساس آلات نصب تھے کہ کسی غیر متعلقہ شخص کا یہاں سے گزر کر سیٹلائٹ پلانٹ کی طرف جانا اتنا ہی

ناممکن تھا جتنا کہ ایک روح کا کسی دوسرے جسم میں داخل ہونا۔ خاص طور پر ڈاکٹر طیب کے لئے سکیورٹی کا حیرت انگیز پیچیدہ نظام قائم کیا گیا تھا۔ جب انہیں سیکرٹ سیٹلائٹ پلانٹ کی عمارت سے باہر جانا ہوتا تھا تو آگے پیچھے کم از کم بیس گاڑیاں ایک ہی طرز ایک ہی رنگ اور اسی ماڈل کی ہوتی تھیں اور ان سب میں ڈاکٹر طیب موجود ہوتے تھے۔ ظاہر ہے اصل ڈاکٹر طیب تو ایک ہی تھے اور باقی سب میک اپ سے تیار کئے ہوئے ان کے ڈمی افراد ہوتے تھے۔ چنانچہ بڑے سے بڑا سراغ رساں بھی یہ معلوم نہیں کر سکتا تھا کہ اصلی ڈاکٹر طیب کس گاڑی میں موجود ہیں۔

تقریباً دس کلومیٹر آگے جا کر چانگ شے نے اپنی جیپ ایک چھوٹی ذیلی سڑک پر موڑ دی۔ یہ ایک لنک روڈ تھی جو دوسری طرف سے ایک سپر ہائی وے سے جاملتی تھی۔ یہ سپر ہائی وے بائیں سمت میں کاشین کے ایک اور بڑے شہر شیگلانی سے جاملتی تھی۔ چانگ شے نے اپنی ریکی مکمل کر لی تھی۔ سیکرٹ سیٹلائٹ پلانٹ کے ارد گرد کے ماحول کو اس نے باریک بینی سے اپنے دماغ کے شعوری حصے میں محفوظ کر لیا تھا اور اب وہ آسانی سے ڈاکٹر طیب کو اپنی ٹیلی پیٹھی اور ہینڈلر کی پراسرار قوتوں کے بل بوتے پر اپنا مطیع فرمان بنا سکتا تھا۔

چانگ شے کی جیپ ذیلی سڑک کے تقریباً وسط میں پہنچی ہی تھی کہ اچانک عقب سے ایک گن شپ جنگی ہیلی کاپٹر فضا میں نمودار ہوا اور پوری تیز رفتاری سے چانگ شے کی طرف آنے لگا۔ چانگ شے نے

چونکتے ہوئے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو گن شپ جنگی ہیلی کاپٹر
بے حد نیچی پرواز کر رہا تھا اور اس کے پینڈے میں لگی زرد اور تیز سرچ
لائٹ نے پورے علاقے کو روشن کر رکھا تھا اور پھر ہیلی کاپٹر اس کے سر
پر پہنچ گیا اور ہیلی کاپٹر سے ایک طاقتور میگا فون پر اسے رکنے کی
دارنگ دی جانے لگی۔

کلیویائی سیکرٹ ایجنسی شیان کے سیکرٹ میٹنگ روم میں کلیویائی
ہائی کمان کے کچھ اہم ترین افراد آئے سامنے بیٹھے تھے۔ میٹنگ کی
سربراہی کلیویائی فیڈرل سیکرٹری کر رہا تھا۔ دیگر لوگوں میں سیکرٹ ایجنسی
کا چیف ننگ چن، اٹاکم انرجی پراجیکٹ کا چیئر مین ڈاکٹر بوزو اور
ڈریگن ماسٹر شامل تھے۔ ڈریگن ماسٹر اپنے مخصوص اژدہ کی شکل
والے گھاگھرے میں ملبوس تھا جس کے کندھوں پر عقاب نما پر لگے
تھے۔ وہ جب بولتا تھا تو اس کے منہ سے شعلے سے لپکتے تھے۔ فیڈرل
سیکرٹری اپنے سامنے موجود دیگر لوگوں سے مخاطب تھا۔

”آپ سب اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ گزشتہ بیس بائیس سال
سے جب سے ہم نے اپنے ہمسایہ ملکوں کے غاصبانہ تسلط سے آزادی
حاصل کی ہے تو اس وقت سے ایکریمیا سمیت تمام سپر پاورز نے
ہمارے ملک پر اپنا سسٹم تھوپنے کی کوشش کی ہے مگر ہم نے اپنے قدیم

روایتی شخص کو کبھی نہیں چھوڑا۔ ہم آج بھی اپنی روایات اور کلچر پر کاربند ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایکریمیا سمیت دنیا کے تمام بڑے ممالک نے ہم پر طرح طرح کی معاشی اخلاقی اور دوسری پابندیاں عائد کیں مگر کلیویا نے کبھی ان کے سامنے سر نہ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ کاجان اور کاشین نے ہم پر جنگیں بھی مسلط کیں مگر ہم نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اپنے اوپر ہونے والی زیادتیوں کا بدلہ لے سکیں۔ خاص طور پر کاشین، کاجان اور ایکریمیا سے۔“ فیڈرل سیکرٹری نے سرد لہجے میں کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

”آپریشن بلیک آئی کا آغاز ہو چکا ہے جناب۔ اب صرف اس پر عمل درآمد باقی ہے۔“ شیان کے چیف ٹنگ جن نے خشک لہجے میں کہا۔

”اس آپریشن کے لئے مختلف مارگٹ مقرر کئے گئے ہیں۔ یقینی طور پر جب آپریشن بلیک آئی آگے بڑھے گا اور دنیا کی نظروں میں آئے گا تو کاشین اور پاکیشیا خاموش نہیں رہیں گے۔ چنانچہ اپنے خلاف ان کی کارروائیوں پر نظر رکھنے کے لئے ہماری سیکرٹ ایجنسی شیان چیف ٹنگ جن کی سربراہی میں کام کرے گی۔ اور دشمن کی پل پل کی حرکت پر نظر رکھے گی۔ جبکہ ڈریگن اور اس کے ساتھی اس آپریشن کے لئے پاور سپورٹ فراہم کریں گے۔ دشمنوں سے کسی بھی وقت، کسی بھی جگہ نہ بھیڑ ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ڈریگن اور اس کے ساتھی ان کا مقابلہ کر کے ان کا راستہ روکیں گے۔ ڈریگن کا مارگٹ سب سے مشکل ہے۔ کیونکہ

اگر دشمنوں نے ہم پر چڑھائی کر دی تو پورا آپریشن بلیک آئی بدترین ناکامی سے دوچار ہو سکتا ہے۔“ فیڈرل سیکرٹری نے سنجیدہ لہجے میں تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”آپ بے فکر رہیں جناب۔ ڈریگن کے سامنے دنیا کی بڑی سی بڑی طاقت ٹھہر نہیں سکتی۔ کاشین اور پاکیشیا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ہم کامیاب ہوں گے۔“ ڈریگن ماسٹر نے ذکر آتی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہمیں سب سے زیادہ خطرہ پاکیشیا سیکرٹ سروس اور اس کے ایک سپر ایجنٹ عمران سے ہے۔ بظاہر احمق نظر آنے والا وہ شخص دراصل دنیا کا سب سے بڑا فائٹر ہے۔ اگر وہ اس آپریشن میں انوالو ہو گیا تو ہمارے لئے بہت مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔“ فیڈرل سیکرٹری نے تشویش کن لہجے میں کہا۔

”عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروس کی طرف سے آپ پریشان نہ ہوں۔ میں نے ان کے بارے میں تفصیلی معلومات ڈریگن کے حوالے کر دی ہیں۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ ڈریگن کی اندھی طاقت کے سامنے عمران ایک لمحہ بھی ٹھہر نہیں سکے گا۔“ سیکرٹ ایجنسی شیان کے چیف ٹنگ جن نے ٹھوس اور جوشیلے لہجے میں کہا۔

”آپ کوئی فکر نہ کریں۔ ایسے لوگوں کو چیونٹی کی طرح مسل ڈالنا میرے لئے معمولی بات ہے۔ میں نے بڑے بڑے سورماؤں کا پتہ پانی کر دیا۔ عمران کیا چیز ہے۔ میں نے مادام فاشا کو اسے چوہے دان

میں بند کرنے کے لئے پاکیشیا روانہ کر دیا ہے۔“ ڈریگن کا لہجہ سلگتا ہوا تھا۔

”ڈاکٹر بوزو کا ٹارگٹ سب سے زیادہ حساس ہے۔ ہم نے ایک خفیہ ایٹمی لیبارٹری قائم کی ہے۔ وہاں ڈاکٹر بوزو کی نگرانی میں ایسے جدید اور چھوٹے سائز کے ایٹم بم تیار کئے جا رہے ہیں۔ جو اپنی ہلاکت خیزی میں بڑے سے بڑے ایٹم بم سے بھی زیادہ مہلک ہیں۔ ڈریگن کے لئے ایک ٹارگٹ اور مقرر کیا گیا ہے۔ اور وہ ہے سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ کو ہائی جیک کرنا۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اس پراجیکٹ کا خفیہ کوڈ نیم ”پکیو۔ون“ ہے۔ گاشین اور پاکیشیا تو پکیو۔ون سیٹلائٹ سے اپنے کچھ ترقیاتی منصوبے ایڈوانس کرنا چاہتے ہیں مگر ہم اسے ہائی جیک کر کے اپنے خفیہ عزائم کی تکمیل کریں گے اور اس کے مطابق ہم ڈاکٹر بوزو کی ایٹمی لیبارٹری میں تیار کئے ہوئے جدید ترین ایٹم بم راکٹوں کے ذریعے خلاء میں بھیج دیں گے جہاں وہ خود کار تکنیکی عمل سے راکٹوں سے نکل کر پکیو۔ون سیٹلائٹ سے منسلک ہو جائیں گے اور پھر ہم پکیو۔ون کو کنٹرول کرنے والی کمپیوٹرڈسک بلیک آئی کے ذریعے جب چاہیں اور جہاں چاہیں خلاء سے ان سپر سائیک ایٹم بموں کو زمین پر کہیں بھی گرا سکیں گے۔ اکیمریمیا کاشین کا چان سمیت دنیا کی تمام بڑی طاقتیں ہمارے قدموں تلے ہوں گی۔ پھر ہمیں پوری دنیا پر حکمرانی سے کوئی طاقت نہ روک سکے گی۔“ فیڈرل سیکرٹری نے جذباتی انداز میں تمام تفصیلات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

”ایٹم بموں کی تیاری آخری مراحل میں سر۔ بہت جلد ہم فائنل ہدف حاصل کر لیں گے۔“ ڈاکٹر بوزو نے مطلع کیا۔

”اٹ از ٹو مچ گریٹ۔ اور ہاں۔ کلیویائی حکومت نے اس آپریشن بلیک آئی کی قیادت میرے سپرد کی ہے۔ لہذا آپ سب مجھ سے رابطے میں رہ سکتے ہیں۔ اب اگلی کارروائی تک یہ میٹنگ برخاست کی جاتی ہے۔“ فیڈرل سیکرٹری نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا اور وہ ایک ایک کر کے میٹنگ روم سے باہر چلے گئے۔ آخر میں ڈریگن ماسٹر اپنا مخصوص اثر ہے کی کھال جیسا گھائرا سنبھالتا ہوا باہر نکلا اور پارکنگ سے اپنی بکتر بند نما ہیوی وہیکل جیپ نکال کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

کلیویائی سیکرٹ ایجنسی شیان کی یہ وسیع عمارت کئی منزلوں پر مشتمل تھی اور نسبتاً ایک پرسکون علاقے میں واقع تھی۔ سڑک پر ٹریفک زیادہ نہیں تھی اس لئے ڈریگن کی جیپ کی رفتار کافی تیز تھی۔ اس کا رخ ٹمپل زون کی طرف تھا جہاں آسمانی محل کے نیچے اس کا حیرت انگیز ہیڈ کوارٹر واقع تھا۔ اس وقت ڈریگن ایک ایسی سڑک سے گزر رہا تھا جس کے دونوں اطراف گھنے درختوں اور پودوں کی طویل قطاریں پھیلی ہوئی تھیں۔ اچانک سڑک کے دائیں سمت سے ایک طاقتور ہینڈ گرینیڈ اڑتا ہوا ڈریگن کی جیپ پر گرا۔ ایک ہولناک دھماکہ ہوا اور جیپ کی باڈی کے فولادی ٹکڑے دور تک اڑتے چلے گئے۔ چاروں ٹائر نچلے حصے سے الگ ہو کر آگ کی لپیٹ میں آ گئے۔ ڈریگن کئی فٹ دور بائیں سمت سڑک کنارے جھاڑیوں میں جا گرا تھا۔ اس کے خاص قسم کے گھاگرے نے اسے ہلاک ہونے سے محفوظ رکھا تھا۔

اسی لمحے کئی اور ہینڈ گرینیڈ یکے بعد دیگرے نامعلوم سمتوں سے آ کر جیپ کے ڈھانچے سے ٹکرائے۔ لرزہ دینے والے دھماکوں کے ساتھ جیپ کا بچا کھچا ڈھانچہ بھی روٹی کے گالوں کی مانند دور تک بکھرتا چلا گیا۔ اب اس جگہ سڑک پر کئی گہرے گڑھے دکھائی دے رہے تھے۔ آگ کے تیز مرغولے آسمان کی طرف بلند ہو رہے تھے۔ اور کثیف سیاہ دھوئیں نے ارد گرد علاقے کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ ڈریگن سڑک کنارے خار دار جھاڑیوں میں الجھا پڑا تھا۔ اس کے جسم پر معمولی خراشیں آئی تھیں۔ جونہی سیاہ دھواں چھٹا تو شہر کی طرف سے ایک بڑی ہیوی وہیکل کمانڈو گاڑی تیز رفتاری سے فراٹے بھرتی ہوئی وہاں آ کھڑی ہوئی۔ لیکن اس میں سے کوئی شخص باہر نہیں نکلا۔ اسی لمحے سڑک کی دوسری سمت سے درختوں کی اوٹ اور جھاڑیوں کے اندر سے چار پانچ کمانڈوز اچانک نمودار ہوئے اور پھرتی سے سڑک پر آ گئے۔ انہوں نے گاڑی کے عقب میں پوزیشنیں سنبھال لیں۔ ان سب کے ہاتھوں میں لائٹ مشین گنیں تھیں۔

”ڈریگن۔ کان کھول کر سن لو کہ تمہیں ہر سمت سے گھیر لیا گیا ہے۔ اگر تم خود کو ہمارے حوالے کر دو گے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ مزاحمت کی صورت میں تم پر چاروں طرف سے گولیوں کی بارش شروع کر دی جائے گی۔ چاروں جانب درختوں کی اوٹ اور گھنی جھاڑیوں کے اندر ہمارے ساتھی موجود ہیں۔ لہذا تمہارے لئے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اپنی کمین گاہ سے نکل کر خاموشی سے خود کو ہمارے

حوالے کر دو۔“ ایک گوریلا کمانڈو نے سنسناتی ہوئی آواز میں ڈریگن کو وارننگ دیتے ہوئے کہا۔

کمانڈو لیڈر کی وارننگ پر جب ڈریگن کافی دیر تک جھاڑیوں سے باہر نہیں آیا تو اس نے گوریلا کمانڈوز کو فائرنگ کا حکم دیا۔ اگلے ہی لمحے چاروں سمت سے لائٹ مشین گنوں سے تابڑ توڑ گولیوں کی بارش شروع ہو گئی۔ ایک بھرپور فائرنگ ایک کے بعد کمانڈو لیڈر نے فائرنگ بند کر دی اور دوبارہ ڈریگن کو وارننگ دینے لگا۔

”تمہارے لئے یہ آخری موقع ہے ڈریگن۔ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ ہم گھیرا تنگ کر کے تمہارے بھاگنے کے تمام راستے مسدود کر دیں گے اور پھر تمہیں گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔“ کمانڈو لیڈر نے پتے پتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اسی لمحے کچھ دور جھاڑیوں میں سرسراہٹ پیدا ہوئی اور وہاں سے ڈریگن اچانک نمودار ہو کر سامنے آ گیا۔ اسے سامنے آتا دیکھ کر کمانڈو لیڈر کے ہونٹوں پر زہر خند مسکراہٹ رینگنے لگی۔ اس نے اپنی مشین گن کا رخ ڈریگن کی طرف موڑ دیا تھا۔

”اب اپنے ہاتھ سر سے بلند کر کے گردن کے پیچھے باندھ لو اور سڑک پر آ کر گھٹنے سڑک پر ٹیک کر اور سر جھکا کر سرنڈر کر دو۔ خبردار اگر تم نے کسی قسم کی چالاکی کرنے کی کوشش کی تو ایک لمحے سے کم وقت میں تمہیں موت کے منہ میں دھکیل دوں گا۔“ کمانڈو لیڈر نے وحشت انگیز لہجے میں غراتے ہوئے کہا۔ ڈریگن نے اس کی دھمکی پر

کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا اور جیسا وہ کہہ رہا تھا ویسا ہی کیا۔ وہ پرسکون انداز میں سڑک پر آ گیا اور گھٹنے ٹیک کر دو زانو حالت میں سرنڈر کر گیا۔ اسی لمحے چاروں جانب سے باقی کمانڈوز درختوں کی اوٹ اور جھاڑیوں کے اندر سے نمودار ہو کر اس کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ڈریگن کو اپنی مشین گنوں کی زد میں لے لیا۔ کمانڈو لیڈر بھی گاڑی کی آڑ سے نکل کر ڈریگن کے قریب آ گیا۔

”تم نے ہمیں شناخت تو کر ہی لیا ہو گا ڈریگن۔“ کمانڈو لیڈر نے طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے کہا۔

”کاشین کے گوریلا کمانڈوز کو کون نہیں پہچان سکتا۔ ویسے مجھے پورا یقین تھا کہ کسی نہ کسی موڑ پر تم سے ٹکراؤ ضرور ہو گا۔ اور وہ لمحہ اب آ پہنچا۔“ ڈریگن نے آتش بار لہجے میں جواب دیا۔ اس کے منہ اور ناک سے آگ کی حقیقی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں اور اس کے کاندھوں پر جھولتے عقابی پر پھڑ پھڑانے لگے تھے۔

”ظاہر ہے کلیویا نے ہمارے سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ کو ہائی جیک کرنے کی مکمل منصوبہ بندی کی ہوئی ہے اور ہمارے خلاف کلیویا نے آپریشن بلیک آئی کا باقاعدہ آغاز کر دیا ہے۔ اس صورت میں ہمارے پاس اور کیا چارہ کار تھا۔ سوائے اس کے کہ ہم تمہارے خلاف کمانڈو ایکشن شروع کر دیں۔“ کاشینی کمانڈو لیڈر نے سرد لہجے میں کہا اور پھر وہ اپنے ماتحت کمانڈوز کی طرف متوجہ ہوا۔

”ہمارے پاس وقت کم ہے۔ کلیویائی سکیورٹی ایجنسیاں کسی بھی

وقت ہمارے خلاف ایکشن لے سکتی ہیں۔ لہذا اس ڈریگن ماسٹر کا قصہ فوراً پاک کر دو۔“ کمانڈر لیڈر نے سنسناتی آواز میں حکم دیا اور گوریلا کمانڈوز نے اپنی مشین گنوں کا رخ ڈریگن کی طرف موڑ دیا۔ مگر اسی لمحے ڈریگن برق کے کوندے کی مانند یکلخت ہوا میں اچھلا اور اپنے پروں کو تیزی سے پھڑپھڑاتا ہوا حیرت انگیز پھرتی سے پچاس فٹ کی بلندی تک چلا گیا۔ گوریلا کمانڈوز بری طرح چونکتے ہوئے اس کی طرف مڑے مگر ڈریگن ان کی زد سے باہر تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ عجیب انداز میں قلابازیاں لگاتا اور ایک دیو ہیکل اژدہے کی طرح زگ زگ کی شکل بناتا ہوا نہایت پرسکون انداز میں زمین پر چلا آیا۔

کاشینی کمانڈوز اس کی حیرت انگیز پھرتی پر دنگ رہ گئے تھے۔ ڈریگن نے انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا۔ اگلے لمحے اس کے بھاڑ جیسے منہ سے آگ کے تیز بھانبر خارج ہونے لگے۔ کئی گوریلوں نے اس آگ کی لپیٹ میں آگئے اور تیزی سے جلنے لگے۔ باقی گوریلوں نے ڈریگن پر تابڑ توڑ فائرنگ شروع کی مگر ڈریگن حیرت انگیز مہارت سے پاؤں کے پنجوں پر گھومتا ہوا کسی تیز رفتار لٹو کی طرح حرکت کرتا ہوا فائرنگ رینج سے دور نکل گیا۔ اسے واپس پلٹنے میں چند لمحے لگے اور پھر ہوا میں دھنک کے نیم دائرے کی شکل میں تیرتا ہوا باقی کمانڈوز کے اوپر سے گزرا اور زمین پر آئے بغیر اس نے اونچائی سے ہی گوریلوں پر آگ کے مزید بھڑکتے ہوئے بھانبر اچھال دیئے۔ کمانڈو لیڈر سمیت تمام گوریلوں نے آگ کی لپیٹ میں آگئے اور ان کے جسم دھڑا دھڑ جلتے لگے۔

گوشت جلنے کی سرائند سے ماحول دور تک تعفن زدہ ہو گیا۔ کچھ ہی دیر میں تمام گوریلا کمانڈوز کے جلے ہوئے ڈھانچے ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ ڈریگن ماسٹر نے اطمینان سے اپنے گھاگرے کو جھاڑا اور کمانڈو کی ہیوی وہیکل گاڑی میں بیٹھ کر پرسکون انداز میں وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس کے پیچھے سیاہ کثیف بدبودار دھواں آسمان کی جانب بلند ہو رہا تھا۔

عمران کے بے ہوش ہوتے ہی مادام فاشا کے حکم پر بلاٹکو نے کلوروہائڈریٹ سیرپ کا ایک ڈراپ اس کے حلق سے نیچے اتار دیا تھا۔ اب وہ چوبیس گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔ مادام فاشا نے اس کام سے فارغ ہوتے ہی ایک وسیع رینج کا ٹرانسمیٹر اپنے بریف کیس سے نکالا اور تیزی سے اس پر کوئی فریکوئنسی سیٹ کرنے لگی۔

”ڈریگن انڈنگ فراہم کلیویا۔ اور۔“ رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے ڈریگن کی نہایت گونجدار آواز سنائی دی۔

”ماسٹر۔ آپ کے لئے اہم خبر ہے۔ ہم نے عمران کو قابو کر لیا ہے۔ اور اس وقت وہ حالت بے ہوشی میں ہے۔ ہمارے لئے اگلا حکم کیا ہے۔ اور۔“ مادام فاشا نے فرط مسرت سے بھرپور لہجے میں ڈریگن کو آگاہ کیا۔

”ڈریگن کو تمہاری کامیابی پر دلی خوشی ہوئی ہے۔ پاکیشیا کے مشرقی ساحل پر ہماری ایک آبدوز پہلے سے تیار کھڑی ہے۔ شہر سے ساحل سمندر کی طرف جانے والی مرکزی شاہراہ کے دسویں کلومیٹر پر ایک کچی پگڈنڈی دائیں سمت جاتی ہے۔ اس پر دو فرلانگ کا سفر طے کر کے تم عین اس مقام پر پہنچ جاؤ گی جہاں سمندر میں ہماری آبدوز موجود ہے۔ آبدوز میں ہمارا سب میرین نکولائی موجود ہے۔ کوڈ سپر ڈریگن ہوگا۔ اس کوڈ سے نکولائی تمہیں شناخت کرے گا۔ تمہیں ایک ہوائی فائر کر کے اسے اپنی آمد کی اطلاع کرنا ہوگی۔ اور۔“ ڈریگن ماسٹر نے پوری تفصیل سے مادام فاشا کو آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

”او کے ماسٹر۔ ہم ابھی عمران کو لے کر یہاں سے نکل رہے ہیں۔ اور اینڈ آل۔“ مادام فاشا نے مؤدبانہ لہجے میں کہا اور پھر ٹرانسمیٹر کا رابطہ منقطع کر کے بلاٹکو کی طرف متوجہ ہوئی۔

”عمران کو گاڑی میں ڈال کر ساحل سمندر کی طرف جانا ہوگا۔“ اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ چنانچہ بلاٹکو نے عمران کو ایک فوڈ ٹرالی کے اندرونی حصے میں گھسیڑ دیا۔ اور پھر ٹرالی دھکیلتا ہوا فلیٹ سے باہر آ گیا۔ مادام فاشا نے بھی فلیٹ سے باہر نکل کر بیرونی دروازہ مقفل کیا اور وہ راہداری سے گزر کر لفٹ کے پاس آ گئے۔ لفٹ کے ذریعے وہ گراؤنڈ فلور پر آئے۔ وہاں اس وقت کوئی نظر نہیں آ رہا تھا البتہ اپارٹمنٹ بلڈنگ کے کمپاؤنڈ میں چند چھوٹے بچے کھیل کود رہے تھے۔ وہ انہیں نظر انداز کرتے ہوئے پارکنگ میں آئے اور وہاں موجود ایک

نیلے رنگ کی اسٹیشن ویگن کے قریب پہنچ کر بلائکو نے ٹرائی سے عمران کو نکالا اور اسٹیشن ویگن میں داخل ہو گیا۔ اس نے عمران کو پچھلی سیٹ پر لٹایا اور خود اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ مادام فاشا نے خود سنبھالی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ تیز رفتاری سے ساحل سمندر کی طرف جا رہے تھے۔

مرکزی روڈ پر کچی پگڈنڈی سے ذرا پہلے اچانک ان کے عقب میں دو کمانڈو جیپیں نمودار ہوئی اور تیزی سے ان کے تعاقب میں آنے لگیں۔ مادام فاشا نے بیک مرر پر جیپوں کو اپنے پیچھے آتے دیکھا تو بری طرح چونک پڑی۔ اس کے دماغ میں خطرے کا تیز سائرن بجنے لگا۔ بلائکو بھی ان جیپوں کو اپنے پیچھے طوفانی رفتار سے آتے دیکھ کر چونکا ہو چکا تھا۔

”ہائی الرٹ بلائکو۔ کوئی ڈیٹیمرس پجوشن نظر آرہی ہے۔ اپنے ہتھیار فوراً سنبھال لو۔“ مادام فاشا نے سنسناتی ہوئی آواز میں کہا۔ دوسرے ہی لمحے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے بلائکو نے نہایت پھرتیلے انداز میں پیچھے مڑ کر اسٹیشن ویگن کے عقبی حصے سے ایک آرٹلری راکٹ لانچر جھپٹ کر اٹھا لیا۔

”تعاقب کرتی ہوئی جیپوں پر راکٹ فائر کرو۔ ہری اپ۔ انہیں تنکوں کی طرح اڑا کر رکھ دو۔“ مادام فاشا نے بری طرح گرجتے ہوئے کہا۔ چنانچہ بلائکو نے اپنا آدھا دھڑ سائیڈ کی کھڑکی سے باہر نکالا۔ راکٹ لانچر اس کے دائیں کندھے پر فکس تھا۔ جیپیں انتہائی

تیزی سے ان کے پیچھے آرہی تھیں لیکن ابھی تک ان کی طرف سے کوئی ایکشن نہیں کیا گیا تھا۔ اسی لئے مادام فاشا نے اس سے پہلے ہی ایکشن کا فیصلہ کر لیا تھا۔

مادام فاشا کے حکم پر بلائکو نے ایک راکٹ جیپوں پر فائر کر دیا۔ سنسناتا ہوا راکٹ بجلی کی سی تیزی سے ایک جیپ کی طرف اڑتا ہوا گیا۔ مگر شاید جیپ کے ڈرائیور کو اس راکٹ ایکس کا پہلے سے اندازہ تھا۔ اس نے انتہائی تیزی اور بے پناہ مہارت سے جیپ کے اسٹیرنگ کو موڑا اور جیپ کو فٹ پاتھ پر چڑھا دیا۔ راکٹ محض دو فٹ کے فاصلے سے جیپ کے قریب سے گزر کر سیدھا ایک سمندری چٹان سے جا ٹکرایا۔ ایک تباہ کن دھماکہ ہوا اور پتھریلی چٹان ذرات میں تبدیل ہو کر دور دور تک بکھر گئی۔

جیپ کے اچانک فٹ پاتھ پر چڑھ جانے کی وجہ سے اس کے بائیں سائیڈ کے دونوں پہیے سڑک سے بلند ہو گئے تھے اور اب وہ ترچھی حالت میں اپنے دائیں سمت کے دونوں پہیوں پر تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی۔ یہ ایک خطرناک پجوشن تھی کیونکہ اگر جیپ اپنا توازن کھو کر دائیں سمت سڑک پر الٹ جاتی تو رفتار بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے خوفناک حادثہ یقینی تھا۔ اسی لمحے بلائکو نے دوسری جیپ پر راکٹ فائر کر دیا تھا۔ مگر اس جیپ کا ڈرائیور بھی خاصا مستعد اور چاک و چوبند نظر آتا تھا۔ اس نے بھی تیزی سے جیپ کو موڑا اور سڑک کے دوسری طرف لے گیا۔ بلائکو کا یہ راکٹ بھی بیکار گیا۔

کوئی اثر نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے اپنی اسٹیشن ویگن کی رفتار میں مزید اضافہ کر دیا۔ ساتھ والی سیٹ پر بلائکو زخمی بازو کے ساتھ منہ سے سسکاریاں نکال رہا تھا۔ مادام فاشا کی ہدایت پر اس نے ویگن کے ڈیش بورڈ کے ایک خانے سے بینڈیج نکال کر زخمی بازو پر چڑھا لیا اور وقتی طور پر خون بہنا بند ہو گیا۔ مگر درد و تکلیف کے ناقابل برداشت اثرات اس کے چہرے سے صاف عیاں ہو رہے تھے۔

اسی لمحے اچانک تعاقب میں آنے والی دونوں جیپوں کی رفتار میں بے تحاشا اضافہ ہوتا چلا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ مادام فاشا کی اسٹیشن ویگن کے بالکل قریب پہنچ گئیں۔ مادام فاشا کے چہرے پر خوف کے سائے منڈلانے لگے تھے۔ مگر اس نے اپنے ہوش و حواس کو پوری طرح قابو میں رکھا۔ ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ مزید بڑھاتے ہوئے اس نے ویگن کی رفتار میں اضافہ کرنا چاہا مگر اس کی سپیڈ ظاہر کرنے والی سوئی ڈائل کی آخری حدود کو چھو رہی تھی۔ اس اثناء میں دونوں جیپوں نے اس کی اسٹیشن ویگن کو دائیں اور بائیں سمت سے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ دوسرے ہی لمحے دائیں سمت کی جیپ کی زبردست سائیڈ مادام فاشا کی ویگن سے ٹکرائی اور ڈیڑھ سو سے زائد کلومیٹر کی رفتار سے دوڑتی ہوئی ویگن بری طرح لڑکھڑانے لگی۔

مادام فاشا نے انتہائی مہارت سے اپنی اسٹیشن ویگن کو کنٹرول کیا پھر اچانک اسی انداز میں بائیں سمت سے دوسری جیپ کی سائیڈ پوری شدت سے ویگن سے ٹکرائی تھی اور وہ ایک بار پھر لرزنے لگی۔ زوردار

کافی دور تک دو پہیوں پر فرائے بھرنے کے بعد پہلی جیپ کے بائیں ٹائر واپس سڑک پر آ گئے۔ اب وہ بالکل متوازن طریقے سے دوڑ رہی تھی۔ اسی لمحے دوسری جیپ سے بلائکو پر تابڑ توڑ فائرنگ شروع ہو گئی۔ اسٹیشن گن کی کئی گولیاں اس کے کندھے پر فنٹ راکٹ لائچر سے ٹکرائیں اور وہ بلائکو کے ہاتھوں سے نکل کر دور سڑک پر جا گرا۔ تیز رفتاری سے دوڑتی ہوئی پہلی جیپ اس کے اوپر سے گزرتی چلی گئی اور وہ پچک کر رہ گیا۔ اس کے ساتھ ہی کئی گولیاں بلائکو کے بازو میں بھی جا لگیں اور وہ تکلیف کی شدت سے بری طرح سے چیخ پڑا تھا۔ مادام فاشا نے ایک ہاتھ سے اسے ویگن کے اندر کھینچ لیا۔ عین اسی لمحے ان کے تعاقب میں آتی جیپوں سے ایک طاقتور میگافون پر تیز آواز میں انہیں وارننگ دی جانے لگی۔

”تم بچ کر نکل نہیں سکتی مادام فاشا۔ ہم پاکیشیا سیکرٹ سروس کے لوگ ہیں۔ تم دونوں کی خیریت اسی میں ہے کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔“ مادام فاشا کی سماعت سے ایک کرخت اور پھٹکارتی ہوئی آواز سنائی دی۔ مگر مادام فاشا نے ویگن نہیں روکی۔

”یہ تمہارے لئے آخری اور حتمی وارننگ ہے مادام فاشا۔ اس کے بعد تم پر کیا گزرے گی اس کا تم اندازہ نہیں کر سکتی۔ بہتر یہی ہے کہ ویگن فوراً روک دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس صورت میں تمہاری سلامتی کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔“ جیپ سے میگافون پر مادام فاشا کو دوبارہ وارننگ دی گئی مگر اس وارننگ کا بھی اس پر قطعی

جھٹکوں سے مادام فاشا اور بلائکو کے دماغ سنسانے لگے تھے۔ اور پھر تو پے در پے دونوں سمتوں سے ویگن کو مسلسل سائیڈ ماری جانے لگی۔ ویگن کے تمام شیشے چھناکوں سے ٹوٹتے چلے گئے اور بیرونی باڈی میں ان گنت ڈنٹ پڑ گئے۔ لگتا تھا اگر فولاد آمیز کمانڈو جیپوں کی ٹکریں ویگن کو دونوں سائیڈوں سے لگتی رہیں تو جلد ہی وہ پچک کر رہ جائے گی۔ اسٹیرنگ وہیل پر مادام فاشا کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔

”بلائکو۔ فوراً ان جیپوں پر گرنیڈز برساؤ۔ ہری اپ۔“ — مادام فاشا نے حلق کے بل چیختے ہوئے کہا۔

بلائکو نے مادام فاشا کے حکم کی تعمیل میں اپنے زخمی بازو کے ساتھ فوراً عقبی حصے سے باکس میں سے چند گرنیڈز نکالے مگر اسے ان کی سیفٹی پن نکال کر جیپوں پر اچھالنے کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ اسی لمحے بائیں سمت کی جیپ کی رفتار یکدم کم ہو گئی اور وہ بڑی تیزی سے پیچھے جاتی چلی گئی۔ اب مادام فاشا کی اسٹیشن ویگن اور دائیں طرف کی جیپ پہلو بہ پہلو پوری تیز رفتاری سے بھاگتی چلی جا رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دور جا کر دائیں طرف کی جیپ نے پوری شدت سے ویگن پر سائیڈ ماری۔ مادام فاشا جس کی گرفت پہلے ہی ویگن کے اسٹیرنگ وہیل پر کمزور پڑ چکی تھی۔ اس ہولناک ایک کو برداشت نہ کر سکی۔ اس کی اسٹیشن ویگن ایک زوردار دھماکے کے ساتھ دائیں سمت الٹ گئی۔ رفتار اس قدر تیز تھی کہ الٹی ہوئی حالت میں وہ کئی سو فٹ دور تک گھسکتی چلی گئی۔ انتہائی تیز رفتاری کی وجہ سے ویگن کی باڈی اور کنکریٹ کی سڑک پر زبردست

رگڑ سے آگ کی تیز چنگاریاں بلند ہو رہی تھیں۔ کچھ فاصلے پر جا کر وہ گھومتی ہوئی دائیں سمت فٹ پاتھ پر چڑھ گئی اور پھر اسی رو میں قلابازیاں کھاتی دوسری طرف ایک کھائی نما ڈھلوان میں گرتی چلی گئی۔ مادام فاشا اور بلائکو کی دردناک چیخوں سے فضا گونجنے لگی۔

دونوں جیپیں آگے پیچھے اس جگہ آکھڑی ہوئیں جہاں مادام فاشا کی اسٹیشن ویگن کا مسخ شدہ ڈھانچہ کھائی نما ڈھلوان میں پڑا تھا۔ اتفاق سے فیول ٹینک میں پٹرول کم تھا اور وہ بھی پہلے ہی استعمال ہو چکا تھا ورنہ انجن کسی بم کی طرح پھٹ جاتا اور مادام فاشا سمیت بلائکو اور عمران کے بھی چیتھڑے اڑ جاتے کیونکہ عمران بے ہوشی کی حالت میں اسٹیشن ویگن کے عقبی حصے میں پڑا تھا۔

آگے والی جیپ سے دو سیاہ پوش اچھل کر باہر نکلے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔ وہ ہائی الرٹ پوزیشن میں نہایت محتاط انداز میں فٹ پاتھ کی طرف بڑھے۔ اسی وقت پچھلی جیپ سے بھی دو سیاہ پوش اسٹین گنوں سے لیس باہر آ گئے۔ وہ بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فٹ پاتھ پر چڑھ گئے مگر ان سب کے درمیان چار پانچ گز کا فاصلہ تھا۔ ان چاروں کی نظریں ڈھلوان میں اٹنے پڑے ویگن کے ڈھانچے پر مرکوز تھیں۔ وہ تباہ شدہ ڈھانچے سے ان کے باہر نکلنے کے منتظر تھے۔ کچھ دیر بعد ڈھلوان میں ویگن کے ڈھانچے کی سمت سے سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ چاروں چونکا دیے گئے۔ ویگن کی سمت سے سیاہ فام جہشی بلائکو گھسٹ گھسٹ کر اپنا جسم ویگن کے ڈھانچے سے باہر

نکالنے کی ٹنگ و دو کر رہا تھا۔ آخر کار وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا اور ویگن کے اندر سے نمودار ہو کر لڑکھڑاتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں گرینیڈز پکڑے ہوئے تھے جن میں سے ایک کی سیفٹی پن وہ آدھی سے زیادہ باہر نکال چکا تھا۔ اب محض ایک معمولی جھٹکے سے گرینیڈ ہولناک دھماکے سے پھٹ جاتا۔

”خبردار۔ کوئی غلط حرکت نہ کرنا۔ گرینیڈز پھینک دو اور خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔“ — دائیں سمت سے ایک سیاہ پوش نے گرجتے ہوئے کہا وہ صفدر تھا۔

”ناممکن۔ ہم خود کو موت کے حوالے کر سکتے ہیں مگر تمہارے نہیں۔ ہمارا راستہ چھوڑ دو۔ ورنہ سب مریں گے۔“ — بلائکو نے غراہٹ بھرے لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تو پھر پہلے تم مرد۔“ — صفدر دھاڑا اور اسٹین گن سیدھی کر کے فائر کھولنے ہی والا تھا کہ اسی لمحے ویگن کے ڈھانچے سے مادام فاشا نمودار ہوئی۔ وہ شدید زخمی حالت میں تھی اور اس کے جسم سے جگہ جگہ سے خون ٹپک رہا تھا۔ پورا چہرہ بری طرح خون آلود ہو کر بھیانک شکل اختیار کر چکا تھا۔

”رکو۔ کوئی غلطی مت کرنا۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ تمہارا ساتھی عمران ہمارے قبضے میں ہے۔ اس کی جان میری منہی میں بند ہے۔ کان کھول کر سن لو۔ تمہارا پاگل پن اسے موت کی اندھی وادی میں دھکیل دے گا۔“ — مادام فاشا نے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔

اس کی بات سن کر صفدر بری طرح چونک پڑا۔ شاید اسے مادام فاشا کی بات مغالطہ آمیز دھمکی معلوم ہو رہی تھی۔

”عمران ان کے ہتھے کیسے چڑھ گیا۔ سلیمان نے تو بتایا تھا کہ وہ ڈاکٹر طیب کے جنازے میں شرکت کے لئے گیا ہے اور ایکسٹو کو سلیمان نے صرف یہی بتایا تھا کہ ان کے ساتھ والے فلیٹ میں کچھ گڑ بڑ ہے جہاں ایک ایئر ہوسٹس رہتی ہے اور جب ہم عمران کے اپارٹمنٹ کے سامنے پہنچے تو یہ دونوں مادام فاشا اور بلائکو اسٹیشن ویگن میں وہاں سے فرار ہو رہے تھے۔ ہمارے تعاقب کرنے پر یہ حادثہ نمودار ہوا۔ عمران تو ان کی ویگن میں نظر نہیں آیا تھا۔“ — صفدر نے شدید تذبذب کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ساتھ کھڑے سیاہ پوش سے کہا جو تنویر تھا۔

”ہو سکتا ہے انہوں نے ہمارے پہنچنے سے پہلے ہی عمران کو اغوا کر کے کسی طریقے سے ویگن میں بند کر دیا ہو۔ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ مادام فاشا کو سامنے آنے دیں۔“ — تنویر نے قدرے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ چنانچہ وہ خاموشی سے مادام فاشا اور بلائکو کی طرف دیکھنے لگے۔ مگر ان کی اسٹین گنوں کا رخ بدستور ان دونوں کی طرف تھا۔ مادام فاشا ویگن کے تباہ شدہ ڈھانچے سے نکل کر اپنے قدموں پر کھڑی ہو چکی تھی۔

”بلائکو۔ تم ویگن کے اندر سے ان کے ساتھی عمران کو باہر نکالو۔ وہ اب بھی بے ہوش ہے۔“ — مادام فاشا نے منہ سے خون تھوکتے

ہوئے زہر خند لہجے میں کہا۔

چنانچہ مادام فاشا کے حکم پر بلائو واپس مڑا اور گرینڈ اپنی کمر کے گرد بندھی بیلٹ میں اڑس کروئین کے اندر سے عمران کو باہر نکالنے لگا۔ اس نے گھسیٹ کر عمران کو باہر کھینچا اور اس کے سامنے زمین پر ڈال دیا۔ عمران کو یوں بے ہوشی کی حالت میں اپنے سامنے پڑا دیکھ کر وہ سب کے سب بھونچکے رہ گئے۔ وہ نہ صرف بے ہوش تھا بلکہ وگین کے ہولناک ایکسیڈنٹ سے بری طرح زخمی بھی ہو چکا تھا۔

”اوہ شٹ۔ ڈیم فول۔ صفدر اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ وگین میں عمران بھی موجود ہے تو ہم یہ ایک نہ کرتے۔“ صفدر سے چند گز دور کھڑی جولیا نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔ اس کے ساتھ کھڑا سیاہ پوش نعمانی تھا۔ وہ چاروں دانستہ خود کو پوشیدہ رکھ کر ایکسٹو کے حکم پر ان کے تعاقب میں آئے تھے لیکن یہ بات شاید ایکسٹو کو بھی معلوم نہیں تھی کہ مادام فاشا اپنی وگین میں عمران کو اغواء کر کے لے جا رہی تھی۔ ورنہ وہ ایک کی ہدایت ہرگز نہ کرتا۔ اس بے خبری کی وجہ سے عمران موت کے منہ میں بھی جا سکتا تھا بلکہ اب بھی اس کی حالت نہایت مخدوش تھی۔

”تمہارے لئے ایک اہم اطلاع یہ ہے کہ میں نے عمران کے سینے پر طاقتور ریموٹ کنٹرول بم نصب کر دیا ہے اور اس کا ریموٹ کنٹرول میرے ہاتھ میں موجود ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو۔ لہذا تمہیں یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ عمران کی زندگی اور موت دونوں

میرے ہاتھ میں ہیں۔ تمہاری ایک معمولی جنبش عمران کے جسم کو ہزاروں ٹکڑوں میں تبدیل کر دے گی لہذا خاموشی سے ہمارا راستہ چھوڑ دو۔ ہم تمہاری جیب میں عمران سمیت یہاں سے نکل جائیں گے۔ صرف آدھے منٹ میں فیصلہ کرو۔“ مادام فاشا نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریموٹ کنٹرول ان کو دکھاتے ہوئے تھکے لہجے میں کہا۔

”اب اس کی بات ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ یہ عمران کی سلامتی کا معاملہ ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے مس جولیا۔“ صفدر نے بوجھل لہجے میں کہا۔

”مان لو اس کی بات۔ واقعی اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔“ جولیا اور تنویر نے بیک وقت اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”اپنی اسٹین گنیں زمین پر پھینک دو اور ہاتھوں کو گردن کے پیچھے جکڑ کر سڑک کے دوسری طرف چلے جاؤ اور یاد رکھو۔ اگر ہماری جیب پر پیچھے سے ایک کیا گیا یا تعاقب میں آنے کی کوشش کی گئی تو نتائج وہی ہوں گے جن سے تم آگاہ ہو چکے ہو۔“ مادام فاشا نے کمر سے سروس کے ممبران کے سرنڈر کرتے ہی سرد لہجے میں کہا۔

چاروں نے خاموشی سے اپنے ہتھیار زمین پر ڈال دیئے اور ہاتھ گردن کے پیچھے باندھ کر سڑک کے دوسری طرف چلے گئے۔ یہ سڑک مکمل طور پر ٹریفک سے خالی اور سنسان تھی۔ ان کے پیچھے جلتے ہی مادام فاشا نے بلائو کو حکم دیا کہ عمران کو اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال دو۔ کولیوں سے چھپتی بازو کے باوجود بلائو نے اس کی بات بے پناہ طاقت

تھی۔ اس نے باآسانی بے ہوش پڑے عمران کو اٹھا کر جیب کی عقبی سیٹ پر ڈال دیا۔ مادام فاشا ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھنے لگی۔ اسی لمحے صفدر نے اپنے قریب کھڑی جولیا کی طرف دیکھا۔

”تنویر ایکشن فارمولے کے سوا کوئی چارہ نہیں اور یہ صرف آپ ہی کر سکتی ہیں۔“ — صفدر نے جولیا کے کان کے بالکل قریب انتہائی سرگوشیانہ آواز میں کہا اور اس کی آواز کی سرسراہٹ محض جولیا ہی کے کان تک پہنچ پائی۔ چنانچہ جولیا اس فارمولے پر عمل کے لئے تیار ہو گئی۔ مادام فاشا جیب کی ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ ہینڈل دبا کر کھول رہی تھی کہ عین اسی لمحے جولیا کسی فٹ بال کی مانند ہوا میں اچھلی اور برق کے کوندے کی طرح ہوا میں تیرتی ہوئی سیدھی مادام فاشا کے اوپر آ پڑی۔ اس نے مادام فاشا کو بری طرح رگیدتے ہوئے کمر اور شانوں کے بل زمین پر ڈھیر کر دیا۔ مادام فاشا جو اس اچانک افتاد کے لئے ہرگز تیار نہ تھی وہ تیز آواز میں غرانے لگی۔

”یو بلڈی کوئین۔ آئی دل کل یو لائیک اے ڈاگ۔“ — مادام فاشا نے خونخوار انداز میں غراتے ہوئے کہا۔ اگلے ہی لمحے جولیا جو اس کے سینے پر چڑھی ہوئی تھی۔ دفعتاً گیس بھرے غبارے کی مانند ہوا میں اچھل گئی۔ مادام فاشا نے کمال مہارت سے اسے اپنے دونوں بازوؤں کے زور پر یوں اوپر اچھال دیا تھا جیسے اس کے بازوؤں میں طاقتور سپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ جولیا غیر ارادی طور پر ہوا میں اچھلتی چلی گئی اور پھر بالکل سیدھے جسم کے ساتھ نیچے آ گئی۔ اس کا پیٹ اور چہرہ

زمین کی طرف تھے۔ اسی لمحے مادام فاشا نے اپنی ٹانگ موڑ کر سیدھی اوپر اٹھا دی۔ یہ مارشل آرٹ کا ایسا خطرناک داؤ تھا جس سے بچاؤ ممکن ہی نہ تھا۔ جولیا کا پیٹ ایک دھماکے سے اس کے اٹھے ہوئے پاؤں سے ٹکرایا۔ اور مادام فاشا کا جوتا کسی فولادی گولے کی طرح اس کے پیٹ میں دھنس گیا۔ جولیا بری طرح سے چیختی ہوئی قریب ہی سڑک پر ڈھیر ہو گئی۔ اس کے پیٹ کا پورا اندرونی حصہ تلچٹ ہو کر رہ گیا تھا اور بے پناہ تکلیف کی شدت سے وہ چیختی ہوئی کسی کینچوے کی طرح لوٹ پوٹ ہونے لگی۔

صفدر وغیرہ کے لئے یہ صورتحال ناگہانی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ جولیا باآسانی اس زخمی مادام فاشا کو ڈھیر کر دے گی جو پہلے ہی اپنے خون میں نہائی ہوئی تھی۔ مگر ان کے خیال کے قطعاً برعکس مادام فاشا نے الٹا جولیا کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایک ہی بلے میں جولیا کی قوت اور حواس دم توڑ گئے تھے۔

”ایک ٹو گیدر۔ ایٹ ونس۔“ — صفدر نے سرسراتی آواز میں کہا اور اس کے ساتھ ہی ان تینوں نے مادام فاشا اور بلاکو پر ہلہ بول دیا۔ بلاکو اپنی بیلٹ سے گرینڈ نکالنے کی کوشش کر رہا تھا مگر تنویر نے اسے آڑے ہاتھوں لیا اور تقریباً چار فٹ کے فاصلے سے یکدم اچھل کر اس کے سینے پر فلائنگ کلک لگائی۔ بلاکو نے بچاؤ کے لئے تیزی سے پیچھے ہٹنا چاہا مگر اس کے باوجود وہ کلک کی زد میں آ گیا اور لڑکھڑاتا ہوا کئی قدم پیچھے چلا گیا مگر اپنی بے پناہ جسمانی قوت اور فائٹنگ سپرٹ

کی بدولت وہ دوسرے ہی لمحے خود کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا۔ تنویر اب اس کے منہ پر ایک دھواں دھار بیچ رسید کرنے کے ارادے سے آگے بڑھ رہا تھا۔

اس نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی کو بھیج کر گھونسنہ بنایا اور دائیں ٹانگ کو آگے بڑھا کر دوسری ٹانگ کو خم دیا اور گھونسنے والے بازو کو تیزی سے بل دیا۔ انگلیوں کے فولادی جوڑ سیدھی حالت میں تھے۔ مارشل آرٹ کی خاص تکنیک کے مطابق زمین سے تیس درجے کا زاویہ بناتے ہوئے افقی رخ سے اس نے بیچ بلائکو کی ناک پر جمایا۔ مگر تنویر کا وار قطعی خالی گیا۔ بلائکو نے اس کی توقع سے کہیں زیادہ پھرتیلے پن کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ رکوع کی حالت میں جھکا اور تنویر کا بازو اس کی کمر کے اوپر لہرا کر رہ گیا۔ ساتھ ہی تنویر کا توازن قدرے بگڑ گیا۔ بلائکو نے پچویشن کا پورا فائدہ اٹھایا اور اپنا سر عین تنویر کے پیٹ پر جما کر دونوں ہاتھوں سے اس کی کمر اپنی مضبوط گرفت میں لے لی۔ اگلے لمحے وہ بے پناہ طاقت کا استعمال کرتے ہوئے تنویر کو کسی گٹھڑی کی طرح اوپر اچھال چکا تھا۔ تنویر ہوا میں لہراتا اور قلابازیاں کھاتا دھم سے فٹ پاتھ پر جا گرا اور لڑکتا ہوا نیچے ڈھلوان میں جا پڑا۔ اس کے منہ سے تیز غرغراہٹ نکل رہی تھی۔

صفدر اور نعمانی بیک وقت مادام فاشا سے بھڑے ہوئے تھے۔ وہ اسے تر نوالہ سمجھ رہے تھے مگر وہ ان کے لئے آفت کی پرکالہ ثابت ہو رہی تھی۔ اس کے ٹھوس بدن میں جیسے برقی رو بھری ہوئی تھی اور وہ

آگ کے بھانبر کی طرح بھڑک رہی تھی۔ صفدر نے ایسی حیرت انگیز فائننگ لینڈی پہلی بار دیکھی تھی۔ اس نے صفدر اور نعمانی جیسے سپرفائٹرز کو بھی چند ہی لمحوں میں اپنے تابڑ توڑ اور انوکھے ترین کنکفو داؤ بیچ سے مفلوج کر کے رکھ دیا۔ ان دونوں کی قوت مدافعت جلد ہی مادام فاشا کی تیز رفتار فائننگ ایکشن سے ڈانواں ڈول ہو کر رہ گئی اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گئے۔ مادام فاشا نے اس پچویشن کا برقی رفتار سے فائدہ اٹھایا۔ وہ صفدر کی جیب کا ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر ایک ہی جست میں سیٹ پر جا پڑی۔ دوسرے ہی لمحے وہ جیب اشارت کر چکی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر بلائکو کی طرف دیکھا جو سڑک پر گرے پڑے اپنے گرنیڈز کو اٹھانے میں مصروف تھا۔ تنویر کو وہ پہلے ہی ڈھلوان میں پھینک چکا تھا۔

”کم آن بلائکو۔ فوراً جیب میں آؤ۔ گرنیڈز کو گولی مارو۔“ مادام فاشا چیخی۔ چنانچہ بلائکو اٹھ کر جیب کی طرف بڑھا مگر اسی لمحے عقب سے ایک دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”خبردار۔ فوراً رک جاؤ۔ ورنہ بھون کر رکھ دوں گا۔“ یہ تنویر کی دھاڑ تھی جو ڈھلوان سے نکل کر فٹ پاتھ پر آچکا تھا اور اس کے ہاتھوں میں ایک اسٹین گن لہرا رہی تھی۔ وہ ڈھلوان میں جس جگہ گرا تھا خوش قسمتی سے وہاں پہلے سے انہی کی پھینکی ہوئی اسٹین گنیں پڑی تھیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک پر تنویر نے قبضہ کر لیا تھا اور اب بلائکو سمیت جیب بھی اس کی اسٹین گن کی زد میں تھی۔ یہ دگرگوں پچویشن دیکھ کر

مادام فاشا نے ٹپٹاتے ہوئے جیپ کو گیسر میں ڈالا اور ایکسیلیٹر کو پوری قوت سے دباتی ہوئی جیپ کو آگے کی سمت دوڑاتی چلی گئی۔ بلائکو اس غیر متوقع صورتحال پر بھونچکا رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ مادام فاشا اسے دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ کر یوں بھاگ کھڑی ہو گی۔ اس نے بغیر سوچے سمجھے جیپ کے پیچھے بے تحاشا دوڑ لگا دی۔ یہ دیکھ کر تنویر نے بغیر کسی حیل و حجت کے بلائکو اور جیپ پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔

”رک جاؤ تنویر۔ جیپ کے اندر عمران بھی موجود ہے۔ اسے نقصان پہنچ سکتا ہے۔“ — صفدر نے بلند آواز سے تنویر کو روکنے کی کوشش کی مگر تنویر نے جیسے اس کی بات سنی ان سن کر دی۔ اس پر جنونی کیفیت طاری تھی اور اس کی اسٹین گن کی نال مسلسل گولیاں اگل رہی تھی۔ ایک گولی بلائکو کی پنڈلی میں لگی۔ وہ سسکارتا ہوا لڑکھڑایا مگر اپنا توازن برقرار رکھتے ہوئے اس نے دوڑنا جاری رکھا۔ اب وہ فٹ پاتھ پر جا چڑھا تھا اور غیر معمولی تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ گولیوں کی زد سے بچنے کے لئے وہ زگ زگ انداز میں بھاگ رہا تھا۔ کئی گولیاں جیپ سے ٹکرائیں اور اچانک اس کے دونوں عقبی ٹائر زوردار دھماکوں سے برسٹ ہو گئے۔ جیپ بری طرح لہرا کر فٹ پاتھ پر جا چڑھی اور مادام فاشا کو یکدم بریک لگانا پڑے۔ ورنہ یقینی طور پر جیپ بھی اسٹیشن وگین کی طرح گہری ڈھلوان میں جا گرتی۔

جیپ کے رکتے ہی مادام فاشا باہر کود گئی اور اب اس نے پوری تیز

رفتاری سے سیدھا بھاگنا شروع کر دیا۔ اگرچہ اس کے ہاتھ میں ریموٹ کنٹرولر موجود تھا مگر اس نے اسے استعمال نہیں کیا تھا۔ دراصل عمران کے جسم پر کوئی ریموٹ کنٹرول بم بندھا ہوا نہیں تھا۔ اس نے چالاکي سے سیکرٹ سروس کے ممبران کو سرنڈر کرنے کے لئے اندھیرے میں تیر چھوڑا تھا جو سیدھا نشانے پر لگا تھا۔ سیکرٹ سروس کے چاروں ممبران کے پیچھے بھاگے۔ تنویر کی اسٹین گن گولیوں سے خالی ہو چکی تھی اور اب وہ باقی ساتھیوں کے ہمراہ دوڑتا ہوا مادام فاشا اور بلائکو کے تعاقب میں تھا لیکن حیرت انگیز طور پر مادام فاشا اور بلائکو کے دوڑنے کی رفتار ان سے بہت زیادہ تھی۔ محض چند منٹ میں وہ ان سے کئی فرلانگ آگے جا چکے تھے۔ لیکن اس کے باوجود سیکرٹ سروس کے ممبران نے تعاقب جاری رکھا۔ وہ سیدھے ساحل سمندر کی طرف جا رہے تھے۔

ساحل سمندر جو کہ قریب ہی تھا کے مخصوص سپاٹ پر پہنچتے ہی مادام فاشا نے اپنے پن بسٹل سے ایک ہوائی قار داغا۔ اگلے ہی لمحے سمندر سے ایک جدید آبدوز کسی وہیل مچھلی کی طرح نمودار ہو کر سطح آب پر ابھر آئی۔ اس کیپسول نما آبدوز کا اوپری حصہ سیپ کی مانند اوپر اٹھ گیا اور ایک شخص گردن نکال کر باہر جھانکنے لگا۔

”سپر ڈریگن۔“ — مادام فاشا نے برقی کوندے کی طرح آبدوز کی طرف لپکتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

”ویکم مادام فاشا۔ میں بہت دیر سے آپ کے انتظار میں تھا۔“

اس شخص نے خوشی و حیرت کے ملے جلے انداز میں کہا۔

”دشمن کے حملے نے کافی گڑبڑ کر دی۔ اپنے ٹارگٹ عمران سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔ بہر حال وقت نہیں ہے۔ دشمن بڑھا چلا آ رہا ہے۔ فوراً یہاں سے نکلو۔“ مادام فاشا نے کود کر آبدوز میں سوار ہوتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ اسی لمحے بلائکو بھی وہاں پہنچ چکا تھا اور مادام فاشا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی آبدوز میں کھینچ لیا۔ آبدوز کا اوپری حصہ واپس اپنی جگہ آ کر بند ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ سمندر کے سینے میں اترتی چلی گئی۔ سیکرٹ سروس کے ممبران جب وہاں پہنچے آبدوز سمندر کی گہرائیوں میں گم ہو چکی تھی۔ مادام فاشا ان کی دسترس سے نکل چکی تھی۔

”مادام۔ مجھے آپ سے یہ توقع نہیں تھی کہ آپ مجھے نہتا چھوڑ کر بھاگ نکلیں گی۔ اگر قسمت ساتھ نہ دیتی تو میرا دشمن کے ہتھے چڑھ جانا یقینی تھا۔“ بلائکو نے شکایتی لہجے میں مادام فاشا سے کہا۔

”یہ کوئی نئی بات نہیں بلائکو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ خاص قسم کی چوہنشنز میں ایسا ہوتا ہے۔ ہمیں بعض اوقات اپنے اہم ترین لوگوں کی زندگیوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ بہر حال اگر تم دشمن کے قابو آ بھی جاتے تو کوئی خاص بات نہ تھی۔ تمہیں ان کی قید سے نکالنا ہماری ذمہ داری تھی اور ہم ایسا ضرور کرتے۔“ مادام فاشا نے خشک لہجے میں کہا پھر وہ آبدوز میرین جس کا نام نکولائی تھا۔ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”نکولائی۔ ہم دونوں کافی زخمی ہیں۔ اور ہمیں ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔“ مادام فاشا نے کہا۔ چنانچہ نکولائی نے اٹھ کر ایک کیمین سے فرسٹ ایڈ بکس نکالا اور ان کی بینڈیج کرنے لگا۔ مادام فاشا کے حواس قدرے بحال ہوئے تو وہ آبدوز کے ٹرانسمیٹر پر چیف باس ڈریگن سے رابطہ کرنے میں مصروف ہو گئی۔ سلسلہ جلد ہی قائم ہو گیا۔

”ڈریگن اسٹڈنگ فرام دس اینڈ۔ اوور۔“ دوسری طرف سے ڈریگن کی پھنکارتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”فاشا کالنگ یو باس۔ اوور۔“ مادام فاشا نے گٹھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

”لیس مادام فاشا۔ کیا رپورٹ ہے۔ اوور۔“ ڈریگن نے قدرے جوشیلے انداز میں پوچھا۔

”چوہنیشن یکنخت پلٹا کھا گئی ہے باس۔ مجھے آپ کو یہ بتاتے ہوئے یقیناً ندامت محسوس ہو رہی ہے کہ مشن کے عین کلائمکس پر سب کچھ ہمارے خلاف چلا گیا۔ ایک یقینی کامیابی سے ہمیں محروم ہونا پڑا ہے۔ اوور۔“ مادام فاشا کی آواز رندھیا سی گئی تھی اور اس کے لہجے میں غیر ارادی طور پر لڑکھڑاہٹ نمودار ہو گئی تھی۔

”کیا مطلب۔ کیا کہنا چاہتی ہو تم۔ کھل کر بات کرو۔ تم جانتی ہو کہ مجھے گول مول قسم کی باتوں سے سخت نفرت ہے۔ اوور۔“ دوسری طرف سے ڈریگن نے سخت غراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔

”باس۔ ہم نے عمران کو با آسانی بے ہوش کر کے اغوا کر لیا تھا اور

مگر ڈریگن نے اس کی بات کاٹ دی۔

”ہمیں ساحل کے کسی قریب ترین محفوظ پوائنٹ پر پہنچا دو۔ مشن کی تکمیل کے بعد ہم کلیویا جائیں گے۔“ — مادام فاشا نے نکولائی سے کہا۔

”میں کچھ نہیں جانتا مادام فاشا۔ تمہاری ناکامی ہماری موت ہے۔ تمہیں پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ عمران کو ہر حال میں قابو کر کے یہاں لانا انتہائی ضروری ہے۔ ہم جانتے ہیں وہ ہمیں چین سے اپنا مشن مکمل کرنے نہیں دے گا۔ وہ ہمارے مشن میں ہڈی کی طرح دھنس جائے گا۔ تم یہ سب کچھ جاننے کے باوجود ناکامی کا لفظ اپنی زبان پر لا رہی ہو۔ اٹ ٹوچ ڈینجرس۔ تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ سینکڑوں پر بھاری پڑنے والی چند افراد سے مات کھا گئی۔ اوور۔“ — ڈریگن کی آواز غصے سے بوجھل ہو رہی تھی۔

”سوری باس۔ میں ایک بار پھر۔“ — مادام فاشا نے کہنا چاہا

چانگ شی اچانک اپنے تعاقب میں آتے گن شپ ہیلی کاپٹر کو دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔ خاص طور پر جب میگافون کے ذریعے اسے ہیلی کاپٹر پر سے رکنے کی وارننگ دی جانے لگی تو اس کے چہرے پر شدید بوکھلاہٹ کے آثار نظر آنے لگے۔ سپر ہائی وے پر اس کی ڈاج جیپ ڈیڑھ سو کلومیٹر کی رفتار سے آگے بڑھی جا رہی تھی۔ سپر ہائی وے کے ساتھ ساتھ دونوں سمتوں میں کم از کم آٹھ فٹ بلند آہنی جنگلے کی مضبوط ترین دیوار کھڑی کی گئی تھی کہ کوئی بھولا بھٹکا جانور ہائی وے پر نہ آ سکے۔ آہنی جنگلے کی دیوار کے دونوں جانب دور دور تک وسیع و عریض کھیتوں کے طویل سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ آبادی کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ چانگ شی نے پہلے تو گاڑی چھوڑ کر اور آہنی جنگلے کو پھلانگ کر نکل بھاگنے کا فیصلہ کیا مگر کوئی محفوظ آڑ دور و نزدیک نہ ہونے کی وجہ سے اسے اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔ بھاگنے کی صورت میں یقینی طور پر گن شپ ہیلی

کاپٹر سے اس پر فائرنگ شروع کر دی جاتی اور اس کا بچنا ناممکن ہو جاتا۔ چنانچہ اس نے رکنے کا فیصلہ کر لیا۔

سپر ہائی وے کی سائیڈ پٹی پر اس نے اپنی جیپ کی رفتار آہستہ کی اور پھر اسے روک دیا۔ گن شپ ہیلی کاپٹر تیزی سے آگے جا کر گردش کرتا ہوا واپس مڑا اور اس سے چند گز کے فاصلے پر اسی سائیڈ پٹی پر اتر گیا۔ اس وقت سپر ہائی وے پر اکا دکا ٹریفک جاری تھی۔ ہیلی کاپٹر کے لینڈ کرتے ہی ایک شخص کو دیکھ کر نیچے اترے۔ وہ سیاہ رنگ کی آرمی یونیفارم میں ملبوس تھا اور اس نے سر پر پی کیپ پہن رکھی تھی جو یونیفارم کا ہی حصہ تھی۔ اس کے پیچھے دو اور آدمی باہر کودے۔ وہ دونوں بھی اسی طرز کی یونیفارم میں تھے اور ان کے ہاتھوں میں لائٹ مشین گنیں موبند تھیں۔ وہ تینوں اپنے بھاری بوٹ ہائی وے کی کنکریٹ روڈ پر کھٹکھٹاتے ہوئے تیزی سے چانگ شی کی طرف آگئے۔

”کاشین اسپیشل فورسز۔ کرنل ماؤ۔“ آگے آنے والے نے ڈرائیونگ سیٹ پر جھکتے ہوئے سپاٹ لہجے میں اپنا تعارف کروایا۔

”یس کرنل۔ کیا بات ہے۔ مجھے کیوں روکا گیا ہے۔“ چانگ شی نے بظاہر پریشانی اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ مگر وہ آنے والی چوکیشن کا اندازہ لگا چکا تھا۔

”تمہیں مانیٹرنگ سیل نے ایک مشکوک فرد کے طور پر ٹریس کیا ہے اور تم کاشین کی اسپیشل فورسز کی ہٹ لسٹ پر آچکے ہو۔ لہذا تمہیں اب ہمارے ساتھ ہیڈ کوارٹر جانا ہوگا۔“ کرنل ماؤ کا لہجہ قدرے

کھر درا اور تلخ تھا۔

”مگر میں نے کیا کیا ہے۔ آخر کچھ تو بتائیے۔“ — چانگ شی کا انداز بھی کرخت تھا۔

”دیکھو مسٹر۔ کیا نام ہے تمہارا۔“ — کرنل ماؤ نے اس سے استفسار کیا۔

”چانگ شی۔“ — چانگ شی نے اطمینان سے اپنا نام بتایا۔
”ٹھیک ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قانونی معاملات کو اس طرح سڑک پر ڈسکس نہیں کیا جاسکتا۔ فوراً گاڑی لاک کر کے باہر آ جاؤ۔ ہمیں جلد از جلد ہیڈ کوارٹر پہنچنا ہے۔“ — کرنل ماؤ نے سرد لہجے میں کہا۔

چانگ شی کے چہرے پر فکر و تردد کے گہرے آثار پھیل چکے تھے۔ مگر اس کے پاس کرنل ماؤ کے حکم پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ چنانچہ وہ گاڑی کو لاک کر کے باہر آ گیا اور دونوں مشین گن بردار کمانڈوز اسے اپنے گھیرے میں لے کر ہیلی کاپٹر کی طرف بڑھ گئے۔ کچھ دیر بعد وہ ہیلی کاپٹر میں سوار فضا میں بلند ہو کر شینگالائی کی طرف جا رہا تھا۔ سپیشل فورسز کا کئی منزلہ ہیڈ کوارٹر شینگالائی کے کنٹونمنٹ ایریا میں واقع تھا۔ وہاں پہنچ چانگ شی کو ایک ایسے تاریک کمرے میں لایا گیا جس کے درمیان ایک چھوٹا سا مستطیل میز پڑا تھا اور اس کے دونوں اطراف آٹھ منے سامنے ایک ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ چانگ شی کو ان میں سے ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ میز کے عین اوپر ایک برقی چھجھا

لٹک رہا تھا جس میں تیز سرچ لائٹ کا ایک بلب لگا ہوا تھا۔ ان کے اندر داخل ہوتے ہی بلب روشن کر دیا گیا مگر اس کی تیز روشنی صرف میز تک محدود تھی۔ چند لمحوں بعد ایک اور پختہ عمر گٹھے ہوئے جسم کا فوجی افسر اندر داخل ہوا۔ مگر وہ یونیفارم کے بجائے سیاہ پتلون اور شرٹ میں ملبوس تھا اور گلے میں ایک ڈھیلی ڈھالی ٹائی لٹک رہی تھی۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی کرنل ماؤ اور اس کے دونوں کمانڈوز نے کھٹاک سے اسے سیلوٹ مارا۔ اس نے سیلوٹ کا جواب ہاتھ لہرا کر دیا اور دوسری سمت کی کرسی کھینچ کر چانگ شی کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی گول عقابی نظریں چانگ شی کے چہرے پر گڑھی ہوئی تھیں۔

”تمہارا نام چانگ شی ہے۔“ — اس نے ایک سفید کاغذ جیب سے نکال کر میز پر اپنے سامنے پھیلاتے ہوئے اس کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”یس سر۔ میرا یہی نام ہے۔“ — چانگ شی نے اطمینان سے کہا۔

”اوکے۔ میں کاشین سپیشل فورسز کا چیف انوسٹی گیٹر آفیسر ہوں۔ جنرل ٹی۔ تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف چند اہم باتیں معلوم کرنے کے لئے تمہیں یہاں لایا گیا ہے۔“ — جنرل ٹی نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ چانگ شی خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔ چند منٹ بعد جنرل ٹی دوبارہ اس سے مخاطب ہوا۔

”تم گرینڈ ڈیزرٹ روڈ پر سفر کر رہے تھے۔ آج کل اس ہائی وے

پر داخلے اور سفر کے لئے سپیشل پاس حاصل کرنا ضروری ہے۔ مگر تم نے پیکاٹنگ سے روانہ ہوتے وقت یہ سپیشل انٹری پاس حاصل نہیں کیا۔“
جنرل ٹی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”میں ایمرجنسی میں تھا اور میں نے یہ بات ایک چیک پوسٹ پر سکیورٹی چیف کو بھی بتائی تھی۔“ چانگ شی نے جواب دیا۔
”ہونہ۔ ایمرجنسی کیا تھی۔“ جنرل ٹی نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

”وہ۔ میں ایک مریض کو دیکھنے جا رہا تھا۔ وہ میرا عزیز ہے۔“
چانگ شی کی آواز میں قدرے گڑبڑاہٹ شامل تھی۔

”اور تم نے سپیس پلانٹ کے قریب اپنی گاڑی روکی تھی جو کہ نوگواریریا ہے۔ اور جگہ جگہ سائن بورڈز سے اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے تمہیں ٹریس کیا گیا ہے۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔“ جنرل ٹی نے اپنی تیز نظریں اس کے چہرے پر گاڑھتے ہوئے استعجاب آمیز لہجے میں کہا۔

”دراصل میں وہ عجیب مقام دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ نوگواریریا ہے۔ ورنہ میں وہاں رکنے کی غلطی کبھی نہ کرتا۔“ چانگ شی نے تھوک تلگتے ہوئے فکر مندانہ انداز میں کہا۔ جنرل ٹی غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا اور ساتھ ہی وہ میز پر رکھے کاغذ پر کچھ پوائنٹ نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ کرنل ماؤ اور اس کے دونوں مشین گن بردار کمانڈوز ہائی الرٹ پوزیشن میں ان کے ارد گرد

مستعد کھڑے تھے۔

”کیا تم کاشینی باشندے ہو۔“ جنرل ٹی نے میکائی انداز میں اس سے پوچھا۔

”میری والدہ کا چان کی رہنے والی تھی۔ میرے ڈیڈ کاشینی تھے۔ یوں میری رگوں میں کاشینی اور کاچانی خون گردش کر رہا ہے۔“ جنرل ٹی کے اس انوکھے سوال پر چانگ شی نے حیران ہوتے ہوئے جواب دیا۔ مگر اس کی چھٹی حس خطرے کا گنگل دے رہی تھی کہ اس کے بارے میں بہت سی معلومات پہلے سے کاشینی سپیشل فورسز کے پاس موجود ہیں۔ اور اسے کسی غیر معمولی وجہ سے ہی ٹریس کیا گیا ہے۔ وہ کسی بھی پیش آمدہ غیر متوقع صورتحال سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیزی سے خود کو تیار کرنے لگا۔ اس کا دماغ چیزی سے اس کی ماورائی پوشیدہ قوتوں کو خوابیدہ صورتحال سے نکال کر متحرک کرنے میں مصروف ہو گیا۔ جنرل ٹی اعصاب شکن خاموشی کے ساتھ سر جھکائے کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ کچھ دیر اسی حالتِ اضطراب میں گزر گئی اور پھر اچانک جنرل ٹی نے اپنا گول چہرہ اوپر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں تیز چمک نمایاں تھی اور چہرے پر کڑھکی پھیل گئی تھی۔ اس نے اپنی سرخ آنکھیں چانگ شی کی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”غور سے سنو چانگ شی۔ ہماری پولی گراف مشینیں تمہاری ہر بات کو جھوٹ کا پلندہ ثابت کر رہی ہیں۔ تم ہماری آنکھوں میں دھول جھونکنے کی ناکام کوشش کر رہے ہو۔ حقیقت ایک آئینے کی طرح

ہمارے سامنے ہے۔ تم کلیویائی باشندے ہو۔ ہمارے دشمن کلیویا کے سیکرٹ ایجنٹ۔ کلیویا۔ جسے کاشین اور پاکیشیا کا مشترکہ سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ ایک کانٹے کی طرح چھو ہے اور اسے ہائی جیک کرنے کے پلان بنائے جا رہے ہیں۔ تم بھی اسی مشن پر کاشین آئے ہو۔ حیرت ہے کہ تم اتنی آسانی سے سیٹلائٹ پراجیکٹ کے حساس ترین سپیس پلانٹ کی طرف کیسے چلے گئے جہاں کسی چڑیا کو بھی پر مارنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک سیکرٹ ایجنٹ ہونے کے ٹاٹے تمہیں بخوبی علم ہو گا کہ تم ٹریس کر لئے جاؤ گے۔ اور ایسا ہی ہوا۔ میں تمہاری دیدہ دلیری پر حیران ہوں۔ یا پھر یہ تمہاری کھلم کھلا ریکی ہے۔ جو بھی ہے بہر حال تم پیش قدمی کی ہٹ لسٹ پر ہو۔ اب تم کیا کہتے ہو۔“ جنرل ٹی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”یہ غلط ہے کہ میں وہاں ریکی کر رہا تھا۔ کیا آپ کے پاس اس کا کوئی ثبوت ہے جنرل۔“ چانگ شی نے تھکے پن سے جواب دیا۔

”سیکرٹ ایجنٹ عموماً سامنے دکھائی دینے والے ثبوت پیدا نہیں کرتے۔ وہ حیرت انگیز صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی ساری زندگی انہی بھول بھلیوں میں گزاری ہے۔ اب جو کچھ بھی تمہارے دماغ کی ڈسک پر ڈاؤن لوڈ ہو چکا ہے۔ وہ تمام ڈیٹا ہماری آگاہی کے لئے ٹرانسفر کر دو۔ ہم اپنے بدترین دشمن سے بھی بہترین سلوک روا رکھنے کے قائل ہیں۔ بشرطیکہ وہ دوستانہ رویہ اپنالے۔“

جنرل ٹی نے سرد لہجے میں کہا۔
”میرے پاس آپ کو بتانے کے لئے کچھ نہیں ہے کیونکہ میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ میں کوئی سیکرٹ ایجنٹ ہوں۔ میں ایک عام آدمی ہوں۔“ — چانگ شی نے کسی خوف کے بغیر جواب دیا۔ اس کا اطمینان اس کی خود اعتمادی کا اظہار تھا۔

”ویل اینڈ گڈ۔ تب پھر مجھے پیش قدمی کی طرف سے دیئے گئے اپنے صوابدیدی اختیارات تم پر لاگو کرنا ہوں گے اور ان میں سے بعض ناقابل بیان ہیں۔“ — جنرل ٹی نے اس بار انتہائی درشت لہجے میں کہا۔ اور اس کی بات سنتے ہی چانگ شی کے لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ اب اس پر تشدد کا عمل شروع کیا جانے والا ہے۔ مگر اس سے قبل ہی اس نے اپنا ایکشن پلان تیار کر لیا تھا۔ اب اسے اپنی حیرت انگیز ٹیلی پیٹھی اور ہیناٹک ماورائی قوتوں سے جنرل ٹی کو اپنا مہلج فرمان بنانا تھا اور پھر جو چانگ شی چاہتا جنرل ٹی وہی کچھ کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

چانگ شی نے غیر محسوس انداز میں ایک چھوٹا سا کرشل بال نکال کر اپنے سامنے میز پر رکھ دیا اور پیپر ویٹ کی طرح اسے انگلیوں سے گھمانے لگا۔ جنرل ٹی نے ناگواری سے چانگ شی کی اس حرکت کو دیکھا مگر نہ جانے کیوں وہ خاموش رہا اور چانگ شی کی انگلیوں میں گھومتے اس کرشل بال کو غور سے دیکھنے لگا۔ شاید وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کرشل بال کوئی سائینٹیفک آلہ ہے جس کے ذریعے چانگ شی کوئی

معلومات انہیں فراہم کرنا چاہتا ہے۔ جنرل ٹی جانتا تھا کہ بڑے سے بڑا سیکرٹ ایجنٹ بھی بالآخر تشدد کے خوف سے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ چانگ شی کے اس عمل کو اسی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ مگر چانگ شی کا یہ عمل پناہزم کا ابتدائی عمل تھا۔

کرشل بال کو اپنی انگلیوں کے درمیان گھماتے ہوئے اس نے اسے جنرل ٹی کی طرف میز پر تھوڑا سا آگے بڑھا دیا۔ کرنل ماؤ اور اس کے کمانڈوز بھی یہ منظر حیرانی سے دیکھ رہے تھے مگر جنرل ٹی کی موجودگی میں کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ کرشل بال جنرل ٹی کی آنکھوں سے آٹھ دس انچ کے فاصلے پر نظروں کے عین نیچے پہنچ چکا تھا۔ اور جنرل ٹی میکا کی انداز میں بغیر پلکیں جھپکائے مسلسل اسے دیکھتا چلا جا رہا تھا۔ اسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ ایسا غیر فطری عمل کیوں کر رہا ہے۔ اس پر گویا سکتہ نما کیفیت طاری تھی۔ اس کی آنکھوں میں تناؤ پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ چانگ شی نے فوراً اس پر اپنے ہیناٹک سیشن کا عمل شروع کر دیا۔

”مسٹر چانگ شی۔ یہ تم کیا تماشہ کر رہے ہو۔ آخر اس کا کہ مطلب ہے۔“ اچانک کرنل ماؤ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا مگر چانگ شی نے اس کی بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

”تم خاموش رہو کرنل ماؤ۔ یہ جو کر رہا ہے۔ اسے کرنے دو۔ جنرل ٹی نے خوابیدہ لہجے میں کہا۔ اس کا انداز ڈانٹنے والا تھا۔ چنانچہ کرنل ماؤ تمللا کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ جنرل ٹی پر چانگ شی

ابتدائی ہیناٹک عمل کے اثرات طاری ہو چکے تھے۔ اس کی آنکھوں میں تھکن سی پیدا ہو چکی تھی اور اس کے دماغ کے سوتے نیند کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ چانگ شی نے اب اپنے اگلے مرحلے کا آغاز کر دیا تھا۔ اس نے کرشل بال سے اپنی انگلیاں ہٹالیں اور دائیں ہاتھ کی انگلی اور انگوٹھے کو کبھی باہم ملانے اور کبھی کھولنے لگا۔ جنرل ٹی کی آنکھوں میں تھکاوٹ کی کیفیت مزید بڑھ رہی تھی۔

چانگ شی کی آنکھیں جنرل ٹی کی آنکھوں پر مرکوز تھیں اور جنرل ٹی بھی خود بخود اس کی آنکھوں میں جھانکنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ اس وقت دونوں کے چہروں کے درمیان دو فٹ سے کم فاصلہ تھا۔ جنرل ٹی کے ہاتھ ہتھیلیوں کے بل میز پر سیدھے ٹکے ہوئے تھے۔ چانگ شی نے نہایت غیر محسوس انداز میں اپنا بائیں ہاتھ آگے کھسکاتے ہوئے جنرل ٹی کے ہاتھوں کے قریب کر لیا۔ کرنل ماؤ شدید غصے کی حالت میں کبھی چانگ شی اور کبھی جنرل ٹی کے چہروں کو گھور رہا تھا۔ اس لئے چانگ شی کی اس حرکت کو نوٹ کرنا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ چانگ شی نے جنرل کے ہاتھوں کے انگوٹھوں کو پکڑ کر ناخنوں کی جڑوں کے پاس سے مخصوص انداز میں دبایا اور پھر اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

”کرنل ماؤ۔ میں کچھ انوکھے راز جنرل ٹی کو بتانا چاہتا ہوں جو کلیویائی سیکرٹ ایجنسی شیان کے چیف ٹنگ چن نے مجھے فراہم کئے تھے۔ یہ تحریری انداز میں نہیں ہیں بلکہ خاص سائینٹیفک فارمولے سے وضع کئے گئے ہیں۔ اگر آپ کچھ دیر کے لئے باہر چلے جائیں تو میں یہ

البتہ ٹیلی پیٹھی کی اپنی مخصوص لہریں ہیں جنہیں اس ماورائی قوت کے مالک انا کی لہریں قرار دیتے ہیں اور وہ اتنی لامتناہی ہیں کہ بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ زمانی مکانی فاصلے انا کی لہروں کی گرفت میں رہتے ہیں بلکہ ان لہروں کے لئے زمانی مکانی فاصلے موجود ہی نہیں ہیں۔ روشنی کی لہریں جن فاصلوں کو کم کرتی ہیں۔ انا کی لہروں میں یہ فاصلے سرے سے موجود ہی نہیں ہوتے۔ جس طرح ایک گونا گونا شخص اپنے ہونٹوں کی خفیف سی جنبش سے سب کچھ کہہ دیتا ہے اور سمجھنے کے اہل سب کچھ سمجھ جاتے ہیں اسی طرح ٹیلی پیٹھی کا ماہر اپنے خیالات کی آواز کو انا کی لہروں کے ذریعے اپنے مطلوبہ شخص کے دماغ میں داخل کر دیتا ہے اور وہ ان خیالات پر عمل درآمد پر مجبور ہوتا ہے۔ درخت آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ گفتگو آسمان کے درختوں میں ہی نہیں بلکہ دور دراز ایسے درختوں میں بھی ہوتی ہے جو ہزاروں میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔ یہ قانون جمادات ہے جو ٹیلی پیٹھی کے فن کا خاصا ہے اور چانگ شی اس کا بہت بڑا ماہر تھا۔

جنرل ٹی پر اس نے اپنا ٹیلی پیٹھک عمل غیر محسوس انداز میں شروع کر دیا تھا۔ اس نے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے اپنی ناک کے دائیں نتھنے کو اوپر کی طرف سے بند کر لیا اور بائیں نتھنے سے پانچ سینکڑ تک سانس اندر کی طرف کھینچتا چلا گیا۔ پھر دائیں نتھنے پر سے انگوٹھا ہٹا لیا اور دائیں چھنگلی سے بائیں طرف کے نتھنے کو بند کر لیا۔ اب اس نے پانچ سینکڑ تک سانس کو روک رکھا۔ اس کے بعد اس نے دائیں نتھنے

راز جنرل کے سپرد کر دوں گا۔“ چانگ شی نے مڑے بغیر سپاٹ انداز میں کرنل ماؤ سے کہا۔ مگر اس نے چانگ شی کی بات ماننے سے یکسر انکار کر دیا۔

”یہ ممکن نہیں ہے۔ تمہیں جو کچھ کہنا ہے۔ ہمارے سامنے کہو۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ جنرل پر نیند کی سی کیفیت طاری ہو رہی ہے اور یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔“ کرنل ماؤ نے سر دلچسپی میں جواب دیا۔

”یہ نیند کی کیفیت نہیں ہے کرنل۔ بلکہ میں جو سائنٹیفک راز بتانے والا ہوں۔ ان کے تخیلاتی تصور نے جنرل کے دماغی شعور کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ جنرل ٹی ایک تجربہ کار انوسٹی گیٹر ہیں اور ممکنہ حالات کا قبل از وقت ادراک حاصل کر لینا جنرل کے شعور اور لاشعور کا ایک حیران کن خاصا ہے۔ بہر حال اگر تم یہاں سے نہیں جانا چاہتے تو ٹھیک ہے۔ مگر تم کوئی انٹرفیئر نہیں کرو گے۔“ چانگ شی نے خشک لہجے میں کہا مگر کرنل ماؤ خاموش رہا۔ چانگ شی اب دوبارہ جنرل ٹی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

اب چانگ شی نے جنرل ٹی پر ٹیلی پیٹھک عمل شروع کر دیا۔ اس نے اپنے خیالات کو ارتکاز توجہ سے جنرل کے دماغ میں داخل کرنا تھا۔ وہ اپنے تصورات کو لہروں کے ذریعے جنرل کے دماغ میں پہنچا رہا تھا۔ روشنی کو سب سے زیادہ تیز رفتار قرار دیا گیا ہے لیکن ٹیلی پیٹھی کے مخفی علم میں وہ اتنی تیز رفتار نہیں کہ زمانی مکانی فاصلے کو منقطع کر دے۔

سے سانس کو پانچ سیکنڈ تک باہر نکالا اور دوبارہ دائیں ہی نتھنے سے سانس پانچ سیکنڈ تک اندر کھینچا۔ اب چھٹگلیا ہٹا کر دوبارہ دائیں انگوٹھے سے دایاں نتھنا حسب سابق بند کر لیا اور اپنے سانس کو پانچ سیکنڈ تک روکے رکھا۔ پھر بائیں نتھنے سے سانس آہستہ آہستہ باہر نکالنے لگا۔ ٹیلی پیتھک چکر مکمل ہو گیا۔ بعد میں اس نے تین بار یہ عمل اسی طریقے سے دہرایا۔ کرنل ماؤ حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید چانگ شی پر کوئی اضطرابی کیفیت طاری ہے یا اس کے اعصاب ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں اور وہ انہیں بحال کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

”جنرل۔ کیا آپ میری بات سن سکتے ہیں۔ کیا آپ خیریت سے ہیں۔“ اچانک کرنل ماؤ نے انتہائی تذبذب کی حالت میں جنرل ژئی کو مخاطب کیا مگر جنرل ژئی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ چانگ شی نے کرنل کو مداخلت سے روکنے کے لئے ہاتھ سے اشارہ کیا تو کرنل اسے پھاڑ کھانے والی نظروں سے گھورنے لگا۔

”جنرل کی کیفیت سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ خبیث چانگ شی نہ جانے کون سے انوکھے سائنٹیفک راز جنرل کے دماغ میں ٹرانسفر کرنا چاہتا ہے۔“ کرنل ماؤ نے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا مگر چانگ شی نے اس کی بڑبڑاہٹ پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ بدستور اپنے عمل میں گم تھا۔ کرنل ماؤ بے بسی کی حالت میں ہونٹ چباتا رہ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر جنرل ژئی نے اسے مداخلت سے نہ روکا

ہوتا تو اب تک وہ چانگ شی کو گدی سے پکڑ کر اسے کسی ٹارچر سیل میں لے گیا ہوتا۔

چانگ شی نہایت اطمینان سے اپنے ٹیلی پیتھک عمل کو تیزی سے آگے بڑھا رہا تھا۔ وہ جنرل ژئی کے دماغ پر مکمل کنٹرول حاصل کر رہا تھا اور جنرل کے دماغ کا شعوری اور لاشعوری حصہ چانگ شی کے تصورات و خیالات کے زیر اثر آتا چلا جا رہا تھا۔ چانگ شی اب اپنے آخری مرحلے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں روپہلی روشنی کی لہریں سی نکلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ جسے صرف چانگ شی ہی دیکھ سکتا تھا۔ روشنی کے ہالے اس کی نگاہوں کے سامنے آتے رہے اور وہ انہیں جنرل کے دماغ میں ٹرانسفر کرتا رہا۔ ایک بہت بڑی وسعت اسے اپنے دماغ میں دکھائی دے رہی تھی۔ اور اس میں روشنی ہی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ آنکھوں کے ڈیلے بالکل ساکت اور جے ہوئے سے تھے۔

چانگ شی کو اپنی آنکھوں کے سامنے روشنی کی لہروں کا ہجوم بڑھتا نظر آیا اور غور سے دیکھنے پر لہروں میں سمعتیں نظر آنے لگیں۔ دماغ کو ہلکے جھٹکے لگ رہے تھے اور روشنی میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے دماغ میں بہت زیادہ روشنی بھی پھیلتی محسوس کی۔ وہ خود کو فضا میں پرواز کرتا ہوا دیکھ رہا تھا اور دوران پرواز بھی یہی دیکھ رہا تھا کہ اس کا دماغ روشنیوں سے بھرا ہوا ہے اور پیشانی پر روشنی کی بنی ہوئی ایک باطنی آنکھ بھی ہے۔ فضا میں اڑتے ہوئے وہ نیند کے دھاروں میں چلا گیا اور خوابیدہ حالت میں روشنی کا تیز جھماکا ہوا جیسے کسی نے یکدم تیز

لائٹ جلا دی ہو۔ خوابیدہ کیفیت شیشے کی مانند ٹوٹ کر بکھر گئی اور روشنی کی بارش کا تصور بندھ گیا۔ ہر طرف روشنی برس رہی تھی اور چائنگ شی اس بارش میں بیٹھا روشنی سے بھیگ رہا تھا۔ روپہلی روشنی کی برسات ایسی تھی جیسے دودھ کے چمک دار قطرے ہر طرف گر رہے ہوں۔ روشنی کی موسلا دھار بارش کچھ دیر اسی طرح ہوتی رہی اور اس کی چمکدار بوندیں دماغ پر جہاں بھی گرتی تھیں وہ جگہ روشن اور شفاف ٹرانسپیرنٹ بن جاتی تھی۔ یہاں تک کہ پورا دماغ روشنیوں کا بنا ہوا نظر آنے لگا۔ چائنگ شی نے یہ سارا ٹیلی پیتھک عمل جنرل ڈی کے دماغ میں منتقل کر دیا اور جنرل بھی اب وہی محسوس کر رہا تھا جو چائنگ شی کر رہا تھا۔ چنانچہ اب وہ خیالات کی آواز میں جنرل سے گفتگو کرنے لگا اور یہ گفتگو خیالات کی آواز کے دوش پر خاموش گفتگو تھی۔

”جنرل تم کیا محسوس کر رہے ہو۔“ چائنگ شی نے اپنے خیالات کی آواز کو ٹیلی پیتھک لہروں میں تبدیل کر کے جنرل سے پوچھا۔ ”مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کسی زہریلے سانپ کو کچلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ جنرل ڈی نے بھی اسی طرح خیالات کی آواز کے دوش پر جواب دیا۔

”بہت خوب۔ حقیقت میں تم اپنے کسی بدترین دشمن کو ختم کرنا چاہتے ہو۔ اور اس دشمن کی نشاندہی میں کروں گا۔ کیا تم مجھ پر یقین کرو گے۔“ چائنگ شی نے سادہ انداز میں پوچھا۔

”میں خود پر شاید اتنا یقین نہ کروں جتنا یقین میں تم پر کروں گا۔ تم

میرے نجات دہندہ ہو۔“ جنرل نے پراعتماد لہجے میں کہا۔ ”کرنل ماؤ کو زبان سے ادا شدہ الفاظ کی شکل میں حکم دو کہ اپنے کمانڈوز کے ساتھ یہاں سے چلا جائے اور اگر کرنل ماؤ بحث کی کوشش کرے تو سختی سے ڈانٹ دو۔“ چائنگ شی نے جنرل ڈی کے دماغ کو جھنجھوڑا۔ چنانچہ جنرل نے سر اٹھا کر خشکیں نظروں سے کرنل ماؤ کو گھورا۔

”کرنل۔ تم یہاں سے جاؤ۔ میں بعد میں تم سے رابطہ کروں گا۔“ جنرل ڈی کا لہجہ کرنل کی سے بھرپور تھا۔

”مگر جنرل۔ آپ یہاں اکیلے۔ مجھے یہ شخص بے حد خطرناک اور مشکوک لگتا ہے۔ اگر آپ اسے میرے حوالے کر دیں تو میں اس کی زبان چنکی بجاتے میں کھلوا لوں گا۔“ کرنل ماؤ نے زہر پاش نظروں سے چائنگ شی کو گھورتے ہوئے کہا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے فولادی گھونسنے کے ایک ہی وار سے چائنگ شی کے سارے دانت جھاڑ دے۔

”سٹاپ یو نائنس۔ تمہاری جرأت کیسے ہوئی کہ جنرل ڈی کے سامنے اپنی زبان بے لگام کرو۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ ورنہ کورٹ مارشل کروا دوں گا۔ یو۔ ایڈیٹ۔“ جنرل ڈی نے دھاڑتے ہوئے کہا۔ غصے کی شدت سے اس کے منہ سے جھاگ اڑنے لگی تھی۔ کرنل ماؤ خوفزدہ انداز میں گھبرا کر پیچھے ہٹا اور وہاں سے باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے اس کے دونوں کمانڈوز بھی خاموشی سے باہر چلے گئے۔

ان کے جاتے ہی جنرل ٹی واپس چانگ شی کی طرف مڑا اور اس کے ٹیلی پیٹھک حصار کے زیر اثر خیالات کی آواز میں مخاطب ہوا۔
 ”اگر تم کہتے تو میں اسے شوٹ کر دیتا۔“۔۔۔ جنرل ٹی نے خونخوار انداز میں کہا۔

”میں جانتا ہوں۔ تم ایسا ضرور کرتے۔ بہر حال اب تمہیں میرے ساتھ یہاں سے باہر جانا ہے جنرل۔ تاکہ ہم اپنے دشمنوں کے خلاف مناسب ایکشن لے سکیں۔“۔۔۔ چانگ شی نے تحکمانہ انداز میں کہا۔
 ”میں تیار ہوں۔ اور مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں کہ جانا کہاں ہے۔“۔۔۔ جنرل ٹی نے ہنٹا ہوا کیفیت میں جواب دیا۔ چنانچہ چانگ شی اس کے ساتھ انوسٹی کیشن روم سے باہر نکلا اور وہ بیرونی ہال میں آگئے جہاں بہت سے افسران اپنی میزکرسیوں پر بیٹھے شاید پہلے سے ادھر متوجہ تھے۔ انہوں نے حیرت زدہ نظروں سے جنرل ٹی اور چانگ شی کی طرف دیکھا جو ہال کے خارجی دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ کرنل ماؤ وہاں نہیں تھا۔ شاید وہ مایوسی کی حالت میں کہیں اور چلا گیا تھا۔ ہال سے گزر کر وہ بیرونی کوریڈور میں آگئے۔ کوریڈور کے دائیں سمت موجود لفٹ کے ذریعے وہ بیسمنٹ میں آئے۔ بیسمنٹ کی پارکنگ سے جنرل ٹی نے اپنی کار نکالی اور وہ دونوں سکیورٹی فورسز کے ہیڈ کوارٹر سے روانہ ہو گئے۔ ڈرائیونگ چانگ شی کر رہا تھا اور بیک ویو مرر میں اس نے دیکھ لیا تھا کہ سکیورٹی فورسز کی ایک آرمد جیپ میں دو کمانڈوز سادہ کپڑوں میں ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ اس نے جنرل

ٹی کو اس تعاقب سے آگاہ کیا تو غصے سے جنرل کا رنگ پکے ہوئے ٹماٹر کی طرح سرخ ہو گیا۔

”تم گاڑی روکو چانگ شی۔ میں ابھی ان کی خبر لیتا ہوں۔“ جنرل ٹی نے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔ چنانچہ چانگ شی نے فوراً گاڑی روک دی اور جنرل دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ سکیورٹی فورسز کی آرمد جیپ قریب آچکی تھی۔ جنرل نے طیش کی حالت میں انہیں اور قریب آنے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ جنرل کے قریب پہنچ کر انہوں نے جیپ روک دی اور نیچے اتر کر کھٹاک کھٹاک جنرل ٹی کو سیلوٹ مارنے لگے۔ جیپ میں آنے والا شخص سکیورٹی فورسز کا لیفٹیننٹ کرنل تھا اور اس وقت سادہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔ جنرل نے خون آشام نظروں سے انہیں گھورا۔

”تم میرے پیچھے کیوں آرہے تھے۔ کس نے تمہیں اس کی اجازت دی۔ آئی ول کل یو۔“۔۔۔ جنرل ٹی دباڑا۔

”سوری جنرل۔ آپ کی حفاظت۔۔۔۔۔۔“۔۔۔ لیفٹیننٹ کرنل نے گھٹکھپائے ہوئے انداز میں کہنا چاہا مگر جنرل نے چیخ کر اس کی بات کاٹ دی۔

”سٹ اپ یو ڈرنی سوائمن۔ میں اپنی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔ اور پھر تمہیں میری اجازت کے بغیر میرا ہی تعاقب کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ کیا تم اس کے خطرناک نتائج سے آگاہ نہیں یا پھر تمہاری عقل ماری گئی ہے۔“۔۔۔ جنرل ٹی نے دہکتی آنکھوں سے لیفٹیننٹ کرنل

کو گھورتے ہوئے کہا جو بہت زیادہ زورس ہو چکا تھا۔

”آئی ایم ریلی سوری جنرل۔ آئندہ میں ایسی جرأت نہیں کروں گا۔“ لیفٹیننٹ کرنل نے بے بسی سے ہونٹ بھیختے ہوئے جواب دیا۔

”ناؤ۔ یوگٹ آؤٹ فرام ہیئر۔ میں تمہاری منحوس شکل ایک لمحے کے لئے بھی دیکھنا نہیں چاہوں گا۔“ جنرل نے بری طرح تمکلاتے ہوئے کہا اور لیفٹیننٹ کرنل فوراً ہی وہاں سے اپنے ماتحت کمانڈوز کے ساتھ واپسی کے لئے کھسک گیا۔ جنرل ٹی تلخی سے پاؤں پختا ہوا واپس اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا اور چانگ شی نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ ایک نسبتاً سنان سڑک پر اس نے گاڑی روک دی اور جنرل کی طرف مڑا۔

”جنرل۔ آپ کو سکیورٹی فورسز کے ہیڈ کوارٹر واپس جانا ہوگا۔ وہاں کے اہم ترین افسران آپ کے دشمن ہو چکے ہیں۔ وہ دراصل کلیویائی سیکرٹ ایجنسی شیان کے چیف ٹگ جن کے ہاتھوں بک چکے ہیں۔ وہ غدار ہیں اور وہ کسی بھی وقت آپ کو قتل کر سکتے ہیں۔ لہذا اس سے پہلے کہ وہ آپ پر وار کریں آپ ان سب کو موت کی دادی میں دھکیل دیں۔“ چانگ شی نے نہایت مہارت سے جنرل ٹی کے دماغ پر ہینا ناز کیفیت طاری کرتے ہوئے کہا اور اس کی بات سن کر جنرل ٹی بری طرح چونکا۔

”کون ہیں وہ۔ مجھے ان کے نام بتاؤ۔ میں ان کا خون پی جاؤں

گا۔“ جنرل ٹی نے شدید برہمی کے انداز میں کہا۔ ایک بار پھر اس پر غصے اور طیش کی ہسٹریائی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔

”میں ان کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں کر سکا۔ لیکن بہر حال وہ ہیڈ کوارٹر کے اندر موجود ہیں اور آپ کی تاک میں ہیں۔ میرے خیال میں آپ کو وہاں موجود تمام اعلیٰ افسران کو جو بھی سامنے آئے بلا دروغ موت کے گھاٹ اتار دیں۔ اس طرح آپ کے دشمن خود ہی ختم ہو جائیں گے۔“ چانگ شی نے کہا۔

”یہ سب سے اچھا طریقہ ہے۔ اور میں اس پر فوراً عمل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بات میں برداشت نہیں کر سکتا کہ میرا کوئی دشمن زندہ رہے۔“ جنرل ٹی نے انتہائی غصیلے لہجے میں کہا۔

”اوکے جنرل۔ آپ اس گاڑی میں واپس جائیے۔ میں بعد میں آپ سے رابطہ کروں گا۔“ چانگ شی نے ڈرائیونگ سائیڈ کا دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اور پھر ہاتھ ہلاتا ہوا سڑک کے دوسری طرف چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی جنرل ٹی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور گاڑی کا رخ واپس سکیورٹی فورسز کے ہیڈ کوارٹر کی طرف موڑ دیا۔ چانگ شی ٹیلی پیٹھی کی نادیدہ لہروں کے ذریعے مسلسل اسے ہدایات جاری کر رہا تھا۔ جونہی جنرل ٹی ہیڈ کوارٹر کے سامنے پہنچا تو چانگ شی نے اسے ہدایت کی کہ وہ سیدھا مرکزی ہال میں چلا جائے اور وہاں داخل ہوتے ہی فائرنگ شروع کر دے اور جو بھی سامنے آئے اسے بھون کر رکھ دے۔ چنانچہ جنرل ٹی گاڑی

سے اتر کر چارخانہ انداز میں ہیڈ کوارٹر کے مرکزی ہال میں داخل ہو گیا۔ اسے دیکھ کر وہاں موجود لوگ کھٹاک کھٹاک سیلوٹ مارنے لگے۔ جنرل ٹی نے مرکزی ہال کے چیف سکیورٹی آفیسر کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے قریب بلایا۔ وہ دوڑتا ہوا جنرل کے پاس آیا اور زوردار سیلوٹ دے مارا۔ اس کے کندھے پر سب مشین گن لٹکی ہوئی تھی۔

”یہ سب مشین گن مجھے دو۔ ہری اپ۔“۔۔۔ جنرل ٹی نے نہایت اکھڑ پن سے کہا اور چیف سکیورٹی آفیسر نے خاموشی سے مشین گن کندھے سے اتار کر جنرل ٹی کے حوالے کر دی۔ ظاہر ہے وہ جنرل کی حکم عدولی کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ جنرل ٹی نے سب مشین گن لیتے ہی اس کا سیفٹی کچھ ہٹا دیا اور اگلے ہی لمحے اس نے برسٹ مار کر سامنے کھڑے چیف سکیورٹی آفیسر کو گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ خون کے تیز فوارے اس کے جسم سے جگہ جگہ سے پھوٹ نکلے اور وہ دھڑام سے فرش پر گر کر اپنے ہی خون میں بری طرح لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اس کی ہولناک چیخوں سے پورا مرکزی ہال لرزنے لگا تھا اور وہاں موجود لوگ گھبرا کر خوفزدہ انداز میں یہ خونی منظر دیکھنے لگے۔ شاید ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جنرل ٹی اپنے ہی ماتحت کو گولیوں سے اڑا دے گا۔ ادھر جنرل ٹی چانگ شی کے ٹیلی پتھک حصار میں اب آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ انگارہ بنی ہوئی تھیں اور چہرے کے عضلات بری طرح پھڑک رہے تھے۔ اور پھر چند لمحوں بعد اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی مشین گن پوری شدت سے گرجنے لگی۔

فوارے کی طرح گولیاں اگلتی مشین گن کے سامنے آنے والا ہر افسر چاہے وہ رینک میں چھوٹا تھا یا بڑا چھلتی ہو کر زمین بوس ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ہر طرف خون لادے کی طرح جسموں سے ابل کر ہال میں پھیل رہا تھا۔ درود یوار سرخ ہو گئے اور انسانی چیخوں کی ہولناک تھر تھراہٹ سے پورے ہال میں زبردست ارتعاش پیدا ہو گیا۔ بے شمار سول اور فوجی افسران کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے تھے اور جنرل ٹی کی مشین گن مسلسل گرج رہی تھی۔ اس پر شدید جنونی کیفیت طاری تھی۔ اور چانگ شی اسے ٹیلی پتھک لہروں کے ذریعے مسلسل ہدایات جاری کر رہا تھا۔ وہ جنرل ٹی کو ایک پر مزید اکسار رہا تھا اور جنرل بغیر کسی حیل و حجت کے انتہائی میکاکی انداز میں اس کی ہدایات پر عمل کرتا چلا جا رہا تھا۔ اس نے کسی روبوٹ کی مانند موو کرتے ہوئے مرکزی ہال میں موجود تمام لوگوں کو بھون کر رکھ دیا۔ اب وہاں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہر طرف خون آلود لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور پورے ہیڈ کوارٹر کی عمارت ایمر جنسی ہائی الرٹ سائرین سے گونج رہی تھی۔

گراؤنڈ فلور کے مرکزی ہال میں وسیع پیمانے پر قتل و غارت کے بعد جنرل ٹی دندنا ہوا اوپری منزل پر چلا گیا جہاں چاروں طرف کیبن بنے ہوئے تھے۔ اور وہاں کام کرنے والے سویلین اور فوجی افسران بوکھلاہٹ میں مبتلا ہو کر اپنے کیبنوں سے باہر آ گئے تھے۔ جنرل ٹی نے وہاں پہنچتے ہی فائرنگ کا دیوانہ وار سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کے سامنے موجود کئی لوگ گولیوں سے چھلنی ہو کر چیختے چلاتے فرش پر

جنونی ہسٹریائی کیفیت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ اپنی مشین گن سے فائرنگ کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اسی لمحے کئی اور فوجی افسران مختلف سمتوں سے جنرل ٹی کی طرف لپکے اور انہوں نے بے دریغ اپنے ریوالوروں سے جنرل ٹی پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

ان گنت گولیوں نے جنرل ٹی کے جسم کو چھلنی کر دیا تھا اور سوراخوں سے ابلنے والا خون دور تک پھیلتا چلا گیا۔ جنرل ٹی کے اٹھ سے مشین گن چھوٹ کر زمین پر جاگری اور ساتھ ہی وہ لہراتا ہوا کٹے ہوئے شہتیر کی مانند زمین پر ڈھیر ہو گیا اور ذبح ہوتے بکرے کی مانند تڑپنے لگا۔ چند ہی لمحے اپنے خون میں لوٹ پوٹ ہونے کے بعد اس کا جسم ساکت ہو گیا۔ وہ مر چکا تھا۔

ڈھیر ہوتے چلے گئے۔ خونریزی کا سلسلہ پوری شدت سے شروع ہو گیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ جنرل ٹی اپنے ہوش و حواس مکمل طور پر گم کر چکا ہے اور حقیقتاً ایسا ہی تھا۔ وہ چانگ شی کے ٹیلی پتھی حصار میں جکڑ رہا تھا۔ اسی لمحے ایک باوردی بریگیڈیئر اپنے کمرے سے نکل کر جنرل ٹی کی طرف بڑھا۔ اس کے ہاتھ میں اس کا سروس پسل چمک رہا تھا۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو جنرل۔ کیا تم پاگل ہو چکے ہو۔ بند کرو یہ خونریزی۔ مشین گن میرے حوالے کر دو۔“ بریگیڈیئر نے تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے سنسناتی آواز میں جنرل سے کہا۔ جنرل نے پھرتی سے مشین گن کا رخ بریگیڈیئر کی طرف موڑ دیا۔

”آؤ۔ آؤ بریگیڈیئر آؤ۔ موت تمہارے لئے بالکل تیار کھڑی ہے۔“ جنرل ٹی نے خونخوار نظروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ اور اگلے لمحے اس نے بریگیڈیئر کے سینے پر گولیاں برسٹ مار دیا۔ بے شمار گولیاں بریگیڈیئر کے سینے سے ٹکرائیں مگر ناکار ہو کر فرش پر بکھر گئیں۔ بریگیڈیئر نے اپنی یونیفارم کے نیچے بلٹ پروف جیکٹ پہن رکھی تھی۔ چنانچہ وہ اس برسٹ سے مکمل طور پر محفوظ رہا تھا اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے اپنے سروس پسل سے پے در پے کئی گولیاں جنرل ٹی پر فائر کر دیں جو سیدھی جنرل ٹی کے سینے میں گھسٹی چلی گئیں۔ جنرل ٹی ہولناک انداز میں چیخنے لگا۔ اس کے سینے سے خون کے فوارے سے پھوٹ نکلے تھے۔ مگر وہ گرا نہیں۔ بلکہ اس آ

ایک پوری نیم ڈاکٹر صدیقی کی سربراہی میں متحرک ہو چکی تھی۔ عمران کلورڈ ہائیڈریٹ کے زیر اثر گہری بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ اس کا جسم بری طرح زخمی ہوا تھا۔ جبکہ سر کی ایک چوٹ کافی شدید تھی۔
 صدر ہسپتال کی عمارت سے باہر نکل کر وسیع لان میں آ گیا تھا۔
 ایک سنسان اور خاموش جگہ بیٹھ کر وہ اپنی وائچ ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ کچھ ہی دیر میں ٹرانسمیٹر کا رابطہ قائم ہو گیا۔
 ”ایکسٹو اینڈنگ۔ اور۔“ دوسری طرف سے بلیک زیرو کی مخصوص بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”صدر کالنگ یو سر۔ اور۔“ صدر نے مودبانہ لہجے میں کہا۔
 ”لیس صدر۔ کیا رپورٹ ہے۔ اور۔“ ایکسٹو نے سپاٹ لہجے میں اس سے پوچھا۔

”میں اس وقت سپیشل ہسپتال سے بول رہا ہوں سر۔ ہم مادام فاشا اور بلائکو کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ جس اسٹیشن ویگن میں ساحل سمندر کی طرف جا رہے تھے۔ اس میں عمران صاحب بھی موجود تھے اور وہ بے ہوش پڑے تھے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ عمران صاحب ویگن میں موجود ہیں۔ چنانچہ جب مادام فاشا کو ویگن روکنے کی ہدایت کی گئی اور اس نے ویگن نہیں روکی تو ہم نے پیچھے سے اٹیک کر دیا۔ ویگن بری طرح سے تباہ ہو کر سڑک کے کنارے ڈھلوان میں جا گری مگر مادام فاشا اور بلائکو محفوظ رہے۔ البتہ زخمی ضرور ہوئے۔ انہوں نے عمران کو

صدر، تنویر، جولیا اور نعمانی نے تباہ شدہ جیپ کے ڈھانچے سے عمران کو کھینچ کر باہر نکالا۔ وہ تشویش ناک حالت میں تھا۔ بے ہوش ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا جسم جگہ جگہ سے زخمی ہو چکا تھا۔ انہوں نے فوراً عمران کو دوسری جیپ میں ڈالا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ سپیشل ہسپتال کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہسپتال پہنچتے ہی عمران کو اسٹریچ پر ڈال کر ایک پرائیویٹ روم میں پہنچایا گیا۔ وہاں پہنچتے ہی ڈاکٹر صدیقی بھی فوراً وہاں آ گئے۔ عمران کی انتہائی تشویش ناک حالت دیکھ کر وہ دنگ رہ گئے۔

”کیا ہوا اے۔ بہت میری معاملہ نظر آ رہا ہے۔“ ڈاکٹر صدیقی نے تفکرانہ لہجے میں کہا اور جواباً صدر نے انہیں مختصر حال سے آگاہ کر دیا۔ ڈاکٹر صدیقی نے فوراً اسٹاف کو طلب کیا اور عمران وہاں سے آپریشن تھیٹر منتقل کر دیا گیا۔ چند ہی لمحوں میں ڈاکٹروں

”بہت خوب۔ اب جب تمہاری کوئی ہڈی پسلی ٹوٹے گی تو میں نئی

www.booklethouse.com

ہڈی تو ضرور لگوا دوں گا مگر کسی کو صدقہ نہیں اتارنے دوں گا۔ چاہے تمہاری وہ..... یا یہ وہ..... ہی کیوں نہ کہے۔“ — عمران نے کن اکھیوں سے جولیا کی طرف دیکھتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا۔

”چھوڑیے عمران صاحب اور تنویر تم بھی چپ رہو۔ عمران صاحب کی طرف سے صدقہ میں اتار دوں گا۔“ — نعمانی نے سنجیدگی سے کہا۔

”تم کیوں۔ کیا وہ کنجوس ایکسٹو تمہیں ایکسٹرا بونس دینے لگا ہے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ میں سیکرٹ سرورس کے تمام ممبران سے چندہ اکٹھا کر کے ایک کالا پیلا نیلا، رنگ، رنگ، سیل مرغا خرید کر سلیمان کے حوالے کر دوں۔ وہ بارہ بارہ چودہ چودہ مصالحوں لگا کر اپنی اس جڑی، سانے مار، باکی نار، ایئر ہوسٹس ہمسائی مادام فاشا کو پیش کر کے اپنا رتبہ بڑھالے۔“ — عمران کی زبان اب نان سٹاپ شروع کر چکی تھی۔ حالانکہ وہ کافی نقاہت بھی محسوس کر رہا تھا۔

”مادام فاشا فرار ہو چکی ہے عمران صاحب۔ اب آپ کو اس کار خیر کے لئے کسی اور مادام کو تلاش کرنا پڑے گا۔“ — صفدر نے خفیف انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ مادام نہ سہی۔ ایکسٹو ہی سہی۔ تیز مصالحوں میں تلا مرغا تو وہ چٹارے لے کر کھا جائے گا۔ بعد میں اسے تنویر کا شکریہ لازماً ادا کرنا پڑے گا۔“ — عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ایکسٹو سے یاد آیا کہ انہوں نے آپ کو دانش منزل میں ان سے

رابطہ کرنے کی ہدایت کی ہے۔“ — صفدر نے عمران کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”خیریت پوچھنا چاہتا ہو گا۔ وہ کنجوس اعظم فون کال کا خرچہ بھی میرے سر تھوپنا چاہتا ہے۔“ — عمران نے منہ بگاڑتے ہوئے بدمزگی کے انداز میں کہا۔ اسی وقت ڈاکٹر صدیقی اندر داخل ہوئے۔

”صفدر صاحب۔ اب آپ لوگ عمران صاحب کو تنہا چھوڑ دیں تو بڑی نوازش ہوگی۔ انہیں ریٹ کی سخت ضرورت ہے۔“ — ڈاکٹر صدیقی نے درخواست کرنے کے انداز میں کہا۔ چنانچہ وہ سب اٹھ کر باہر چلے گئے۔ وہاں سے وہ دانش منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ادھر ڈاکٹر صدیقی نے عمران کے کمرے کے باہر اسٹاف کو نگرانی پر مقرر کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ عمران کا کچھ پتہ نہیں کب اس پر لا ابالی کا دورہ پڑ جائے اور وہ چھلاوے کی طرح وہاں سے نکل بھاگے۔

”ڈاکٹر۔ آپ تو خواہ مخواہ تردد کر رہے ہیں۔ میں تو خوش ہوں کہ کچھ دن آرام کر لوں گا۔ ورنہ زندگی میں سوائے ہلچل اور بھاگ دوڑ کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر آپ اسٹاف کو ہٹا دیں تب بھی میں یہاں سے بھاگنے والا نہیں ہوں۔“ — عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ چاہے کچھ بھی کہیں عمران صاحب۔ مگر میں اسٹاف کو ہٹانے والا نہیں ہوں۔ آپ کی حالت کافی سیریس ہے۔ اور کم از کم چھ دن تک آپ اس کمرے سے باہر نہیں جاسکتے۔ سر سلطان نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ آپ کو ہر حال میں ہسپتال میں رکھا جائے۔“ — ڈاکٹر

صدیقی نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

”مسر سلطان۔ انہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر یہاں آ بسا ہوں۔“ — عمران نے حیرت سے کہا۔

”میں نے فون کیا تھا انہیں۔ کیونکہ آپ کا کچھ بھروسہ نہیں کہ کب کیا کر بیٹھیں۔ اب وہ خود یہاں آنے والے ہیں آپ سے ملنے۔“ ڈاکٹر صدیقی نے پر شوخ لہجے میں کہا اور پھر باہر چلے گئے۔ انہوں نے اسٹاف کے لوگوں کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ عمران کو کسی صورت باہر نہ نکلنے دیا جائے۔

ڈاکٹر صدیقی کے جاتے ہی عمران وائچ ٹرانسمیٹر پر ٹائیگر سے رابطہ کرنے لگا۔

”ٹائیگر انڈنگ۔ اور۔“ — رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے ٹائیگر کی گونج دار آواز سنائی دی۔

”عمران کالنگ یو۔ میں اس وقت سپیشل ہسپتال کے پرائیویٹ روم میں موجود ہوں۔ تم سے کچھ ضروری بات چیت کرنی ہے۔ جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہاں آ جاؤ۔ اور۔“ — عمران نے سنجیدگی سے کہا۔

”یس باس۔ میں جلد ہی آ رہا ہوں۔ اور۔“ — ٹائیگر نے کافی پر جوش انداز میں جواب دیا۔ چنانچہ عمران نے اور اینڈ آل کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا اور پھر وہ دانش منزل میں ایکسٹو کی فریکوئنسی ملانے لگا۔

”ایکسٹو انڈنگ۔ اور۔“ — رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف

سے بلیک زیرو کی مخصوص بھرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

”عمران بول رہا ہوں سپیشل ہسپتال سے۔ کیا بات ہے۔ تم نے صفدر کے ذریعے مجھے رابطے کے لئے کہا تھا۔ اور۔“ — عمران نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”جی ہاں عمران صاحب۔ پہلے تو خدا کا شکر ہے کہ آپ کی جان بچ گئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہائی کمان سے آپریشن بلیک آئی کے خلاف سیکرٹ سروس کی موومنٹ کو تیز کرنے کے لئے بہت دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ خود صدر مملکت مجھ سے کئی مرتبہ بات کر چکے ہیں۔ وہ بے حد پریشان ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کاشین حکومت بھی پاکیشیائی سیکرٹ سروس کے ان ایکشن ہونے کے لئے بار بار اصرار کر رہی ہے کیونکہ کلیویائی انٹیلی جنس شیان اور ان کی پشت پر موجود زیر زمین طاقتوں نے آپریشن بلیک آئی کو تیز تر کر دیا ہے۔ ایکریمیا نے بھی دھمکی دی ہے کہ اس آپریشن کو جلد از جلد کچلا جائے۔ ورنہ وہ خود میدان میں کود پڑیں گے اور اس آپریشن کا صفایا کریں گے۔ اب آپ ہسپتال کے بیڈ پر پہنچ گئے ہیں تو ایک نئی ٹریجڈی کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اور۔“ — دوسری طرف سے بلیک زیرو نے مختصر انداز میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا۔

”میرے یہاں ہونے سے ہمارے ایکشن میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ تم ایسا کرو کہ سیکرٹ سروس کے تمام ممبران کو خفیہ طریقے سے کاشین بھیج دو۔ وہ وہاں کاشین سیکرٹ سروس کے چیف سے مل کر کلیویا

کے آپریشن بلیک آئی کے خلاف مشترکہ لائحہ عمل تیار کریں۔ اس مشن کی قیادت صفدر کے سپرد کر دو۔ اور۔۔۔“ عمران نے بلیک زیرو کو ہدایات جاری کرتے ہوئے کہا۔

”بہت بہتر عمران صاحب۔ ان سب کو میں نے پہلے ہی دانش منزل طلب کر لیا ہے۔ اب انہیں فوراً اس مشن پر روانہ کر دیتا ہوں۔ اور۔۔۔“ بلیک زیرو نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔ چنانچہ عمران نے اوور اینڈ آل کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد سر سلطان وہاں پہنچ گئے۔ عمران کی حالت دیکھ کر وہ کافی پریشان نظر آ رہے تھے۔

”یہ کیا ہو گیا عمران۔ اب آپریشن بلیک آئی کے خلاف کیسے کام ہو گا۔“ سر سلطان نے نہایت متفکرانہ لہجے میں کہا۔

”آپ کو میری فکر ہے یا آپریشن بلیک آئی کی۔“ عمران نے برا سامنہ بناتے ہوئے ناگواری سے کہا۔

”دونوں کی۔ ظاہر ہے اگر آپریشن بلیک آئی کو بروقت کچلا نہ گیا تو پاکیشیا اور کاشمین کی سلامتی خطرے میں ہوگی۔ اور تمہارے مفلوج ہونے سے بھی یہی خطرہ درپیش ہو گا۔“ سر سلطان نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

”آپ میرے مفلوج ہو جانے سے فکر مند نہ ہوں۔ آپریشن بلیک آئی کو ہر صورت کچل دیا جائے گا۔ میں نہ سبکی کوئی اور سبکی۔ یہ کام بہر حال ضرور ہوگا۔ اس ملک میں مجھے جیسے حقیر فقیر پر تفصیر سیکرٹ

ایجنٹوں کی کمی نہیں ہے۔“ عمران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تمہیں شاید حالات کا اندازہ نہیں۔ جبکہ پوری فیڈرل کیبنٹ کی طرف سے شدید دباؤ ہے کہ اس مبینہ آپریشن کو جلد از جلد جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ خود صدر مملکت مجھ سے بارہا رابطہ کر کے باز پرس کر چکے ہیں کہ آخر پاکیشیا سیکرٹ سروس پوری طرح متحرک کیوں نہیں ہو رہی۔ تم بتاؤ میں انہیں کیا جواب دوں۔“ سر سلطان نے سخت فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

”آپ کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ جواب ہم خود دیں گے۔ بلکہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے۔ صدر صاحب سے کہیں کہ وہ صبر سے کام لیں۔ سیکرٹ سروس والے فرشتے نہیں ہیں کہ پھونک مارو اور دشمن کا صفایا ہو جائے۔ ہم میدان جنگ میں کود چکے ہیں اور جنگ جاری ہے۔ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں کہ میرا کیا حشر ہوا ہے۔ یہ دشمن سے نکرانے کا ہی نتیجہ ہے ورنہ کسی کے سر میں درد نہیں ہے کہ یوں میری ہڈیاں پسلیاں توڑتا پھرے۔“ عمران نے تلخ انداز میں جواب دیا۔

”تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو عمران۔ میں اپنے لوگوں کو مطمئن کر سکتا ہوں۔ مگر اکیمریمیا کو مطمئن کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں ہے۔ اکیمریمیا دراصل کلیویا کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہے۔ اور اکیمریمیا کی حکومت کا دعویٰ ہے کہ کلیویا ہمارے اور کاشمین کے مشترکہ سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ پیکیو۔ ون کو ہائی جیک کر کے اکیمریمیا کے خلاف

ایشی جنگ چھیڑنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اکیرمیا نے دھمکی آمیز انداز میں پاکیشیا اور کاشین کو خبردار کیا ہے کہ اگر فوری طور پر کلیویا کے آپریشن کو تباہ نہیں کیا گیا تو پھر یہ کام اکیرمیائی آرمی خود سرانجام دے گی اور اس اکیرمیائی فوجی کارروائی میں ہمارے پکیو۔ون پراجیکٹ کو بھی یقینی طور پر نقصان پہنچے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اکیرمیا پکیوون پراجیکٹ کو بھی تباہ کر دے۔“ سر سلطان نے متفکر لہجے میں کہا۔

”ایک تو یہ اکیرمیا کے پیٹ میں ہر وقت مروڑ اٹھتا رہتا ہے۔ اپنی سلامتی کے لئے وہ دوسروں کی سلامتی کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ اب اگر کلیویا والے اکیرمیا پر ایشی حملہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ ہمارا درد سر نہیں کہ کلیویا کو ایسا کرنے سے روکیں۔ ہمیں صرف اپنے پراجیکٹ اور اپنے مفادات سے غرض ہے۔ کلیویا نے اگر حملہ کرنا ہو گا تو وہ ہر صورت میں کر کے رہے گا۔ تب کیا اکیرمیا کو نانی کی جگہ پر نانی یاد نہیں آئے گی۔“ عمران نے زچ ہو کر کہا۔

”میں تم سے سو فیصد اتفاق کرتا ہوں عمران۔ مگر کچھ ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر ایک حکومت کو دوسری حکومت کے لئے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ خیر تم یہ بتاؤ کہ اب تمہاری اگلی حکمت عملی کیا ہے۔“ سر سلطان نے مدبرانہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

”میری حکمت عملی کیا خاک ہو گی جناب۔ یہاں ہسپتال کے ہیڈ پر پڑا اس وقت کو کوس رہا ہوں جب مجھ پر سیکرٹ ایجنٹ بننے کا دورہ پڑا تھا۔ بس اس کے بعد دورے پر دورے پڑتے جا رہے ہیں۔“ عمران

نے کراہتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تم نے ضرور کوئی ایکشن پلان تیار کیا ہو گا۔ اور تم خود نہ سہی۔ کوئی اور سہی۔ میں اب چلتا ہوں۔“ سر سلطان نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر عمران سے مصافحہ کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ ان کے جانے کے کچھ ہی منٹ بعد ٹائیگر وہاں پہنچ گیا۔

”میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ بیٹھو اور میری بات غور سے سنو۔“ عمران نے سرد لہجے میں کہا۔

”آپ کی حالت کافی سیریس ہے۔ لگتا ہے اس مرتبہ معرکہ زبردست ہو گا۔“ ٹائیگر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں عمران سے کہا۔

”پتہ نہیں۔ کیونکہ یہ معرکہ میں نے بے ہوشی کی حالت میں لڑا ہے۔ دشمنوں کے اٹیک میں تو میری بڑیاں پسلیاں سلامت رہی ہیں مگر ڈاکٹر صدیقی نے پورا اسٹاف کمرے کے باہر بٹھا دیا ہے۔ اور انہیں حکم دیا ہے کہ اگر میں یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش کروں تو میری ٹانگیں توڑ دی جائیں۔“ عمران نے دکھی انداز میں کہا۔

”کوئی آپ کی ٹانگیں نہیں توڑے گا۔ وہ تو آپ کی بھلائی چاہتے ہیں۔ اس لئے آپ کو واقعی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔“ ٹائیگر نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”لعلت بھیجو سب پر۔ وقت کم ہے اور مقابلہ زور دار۔ میری بات

غور سے سنو۔“ — عمران نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا اور پھر نہایت سرگوشیانہ آواز میں ٹائیگر کو کچھ ہدایات دینے لگا۔ تقریباً دس منٹ تک اس نے ٹائیگر کو بریف کیا۔

”اب تم جا سکتے ہو۔ اور سب کچھ ویسے ہی ہو جیسا میں نے کہا ہے۔“ — عمران نے تاکیدی انداز میں اس سے کہا اور ٹائیگر اثبات میں سر ہلاتا ہوا عمران سے مصافحہ کر کے وہاں سے باہر آ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ اپنی گاڑی میں عمران کے فلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔

وہ ایک عجیب و غریب قسم کا کپسول تھا۔ اس کا اوپری خول نہایت شفاف لیکن باریک تہہ والا تھا۔ یہ کپسول ایک پلاسٹک کے چھوٹے سے پتے میں مقید کیا گیا تھا۔ اس پتے میں مزید دو کپسول تھے۔ کپسولوں والا یہ پتہ دھیرے دھیرے ایک پھر کی پر چل رہا تھا۔ تینوں کپسول ایک ایک کر کے اہرقی کھڑکی کے نیچے فلزاتی دہانے میں گر کر ایک منٹ کے لئے رک جاتے تھے۔ تابکاری پیمائش کے ایک کونے میں کاغذ کی ایک پھر کی لگی ہوئی تھی جس پر ایک منٹ کے دوران میں کچھ ہندسے پرنٹ ہو جاتے تھے۔ پھر کپسول آگے نکل جاتا اور دوسرا کپسول اس کی جگہ لے لیتا تھا۔ یہ ایک پیچیدہ سائنسی عمل ہو رہا تھا۔

پونے دو بجے کے قریب کاغذ پر ایک ہندسہ پرنٹ ہوا۔ اور یہ ہندسہ تھا 308۔ ایک منٹ کے وقفے کے بعد ایک اور ہندسہ پرنٹ ہوا۔ یہ ہندسہ 256 تھا۔ پھر ایک منٹ بعد ایک اور ہندسہ پرنٹ ہو کر

سامنے آیا جو 391 تھا۔ ایک منٹ کا وقفہ مزید گزر گیا اور اب جو ہندسہ پرنٹ ہو کر سامنے آیا تھا وہ 477 تھا۔ ایک منٹ مزید بیت گیا اور اب پرنٹ ہونے والا ہندسہ 202 تھا۔ ایک منٹ اور گزرا۔ اب جو ہندسہ پرنٹ ہوا وہ تھا 251۔ اس کے بعد والے منٹ پرنٹ ہوا 000۔ اور اس کے مزید دو مرتبہ بعد بھی 000 ہی پرنٹ ہوا۔

دو بجے کا وقت تھا جب جوئی تابکاری پیا کے قریب آیا۔ اس نے کاغذ کی لمبی لسٹ پر پرنٹ ہونے والے ہندسوں پر محض ایک سرسری سی نظر ڈالی اور کوئی نوٹس لئے بغیر آگے بڑھ گیا لیکن پھر دوسرے ہی لمحے وہ چونک کر واپس لوٹ آیا۔ واپس آتے ہی اس نے کاغذ کی پھر کی کو الٹا گھمایا اور پہلے والے نمبر پر لے آیا۔ پھر وہ ایک ایک ہندسے کو بغور پڑھنے لگا۔ یک لخت اس کے منہ سے کراہ سی نکل گئی اور وہ سخت سراسیمگی میں مبتلا ہو گیا۔

”شٹ۔ یہ کیا ہو گیا ہے۔“ اس نے ہراساں آواز میں خود کلافی کی۔ یہ فقرہ بڑبڑاتے ہوئے اس کے لہجے میں طیش کی آمیزش بھی نمایاں تھی۔ وہ بہت تھکا تھکا اور ہلکان سا نظر آنے لگا تھا۔ اس دوران ڈل بھی آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ بھی اسی کی طرح ”جوہری مرکزے“ کی طبعیات کا ماہر تھا اور اس شعبے میں بے حد طاق تھا۔ وہ جوئی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

”دوست۔ کیا بات ہے۔ تم بہت زیادہ پریشان نظر آ رہے ہو۔“ ڈل نے جوئی سے کہا اور اس کی آواز سن کر جوئی نے چونک کر اس کی

طرف دیکھا۔

”شاید کوئی خطرناک قسم کی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ میرے تابکاری پیا کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ بالکل خاموش پڑا ہے۔ میری طبیعت اس غیر متوقع صورتحال کی وجہ سے سخت مکدر ہو رہی ہے۔ لہذا میں تو اس وقت اس کے کل پرزے کھول کر چیک کرنے سے رہا۔ تمہارے پاس اگر سگریٹ ہو تو پلاؤ۔ شاید طبیعت کچھ سنبھالا لے۔“ جوئی نے خشک لہجے میں کہا۔ ڈل نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ایک سگریٹ اسے پیش کر دیا اور جوئی اطمینان سے سگریٹ سلگا کر کش کھینچنے لگا۔

”جوئی۔ ڈیپارٹمنٹ کے دوسرے تابکاری پیاؤں پر بھی نظر ڈال لو۔ ذرا پتہ چلے کہ وہ کس حالت میں ہیں۔“ ڈل نے جوئی کو مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

”میں نے تو ابھی نہیں دیکھا ہے۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سب کے سب خراب ہو گئے ہوں۔“ جوئی نے قدرے افسردہ لہجے میں کہا۔

”ہو سکتا ہے جوئی۔ شاید تمہیں علم نہیں کہ میرا تابکاری پیا بھی خراب ہو چکا ہے۔ یا کم از کم اس وقت تو کام نہیں کر رہا۔ اسی لئے میں ٹیکنیکل سٹاف روم کی طرف جا رہا تھا کہ تم سے ٹکراؤ ہو گیا اور اب یہ حیرت انگیز صورتحال سامنے آئی ہے کہ تمہارا تابکاری پیا بھی میری طرح خراب ہو چکا ہے۔“ ڈل نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا اور اس کی بات سن کر جوئی سر ہٹا کر رہ گیا۔ اس کے خیال میں کوئی

ہی تھا۔ ڈل اور جونی اکٹھے چوفو کے دفتر میں داخل ہوئے۔ چوفو اپنے دفتر میں سگار کے مزے لوٹ رہا تھا۔ جونی نے اس کے سامنے جاتے ہی ایک ہی سانس میں۔ بغیر رکے پوری بات سے آگاہ کر دیا۔ چوفو نے بڑے غور سے اس کی بات سنی اور نہایت غصیلے انداز میں اسے گھورنے لگا جیسے جونی اس کے لئے کوئی ناپسندیدہ شخصیت ہو۔ اگرچہ چوفو ابھی نو جوان تھا لیکن وہ ایک ایسا نو جوان تھا جو اپنی شب و روز محنت اور مسلسل ان تھک کام اور والہانہ لگن کی وجہ سے وقت سے پہلے ہی بوڑھا نظر آ رہا تھا۔ اس کے سر پر موجود چند بالوں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا۔ جونی کی پوری بات سننے کے بعد وہ قدرے غصے میں نظر آنے لگا اور اس کی پیشانی پر گہری سلوٹیس پڑ گئیں۔

”میں بہت زیادہ مصروف ہوں جوئی۔ تم اپنا مسئلہ کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو۔“ چوفو نے ناگواری سے کہا۔

”یہ بہت خطرناک صورتحال ہے چوفو۔ تم بہت زیادہ مصروف ہو۔ تو بھی اپنی مصروفیت چھوڑ کر پہلے اس کی طرف دھیان دو۔ ورنہ جانے کیا ہو جائے۔“ — جونی نے پریشانی سے کہا۔

”مثلاً کیا ہو جائے گا۔ بولو۔ بتاؤ مجھے۔“ — چوفو نے تلملاتے ہوئے میز پر دھب لگائی۔

”پتہ نہیں۔ لیکن تم فضول بحث چھوڑو اور اپنا تابکاری پیمائش کرو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں کر سکتے۔ تم ہمارے دوست ہو یا دشمن۔“ — جونہی نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کر چیوفو

قدرے بے چینی سے اپنی کمری سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”ہاں ہاں۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ لیکن میں جس دن اس ڈیپارٹمنٹ سے منسلک ہوا تھا اسی دن مجھے احساس ہو گیا تھا کہ کیسے کیسے گھمبیر مسائل یہاں پیش آئیں گے۔ وہ چیف ہاس۔ ڈاکٹر بوزو۔ مزے سے اپنے گھر پر آرام کرتا ہے اور سارا سر درد ہمارے لئے۔“ چوفو نے نہایت مشتعل انداز میں بڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھر وہ سگار ایش ٹرے میں مسل کر خاموشی سے اپنی تجرباتی میز کی طرف چلا گیا جو نوع بہ نوع سائنسی اشیاء سے اٹی پڑی تھی۔ اس نے ایک سمت میں رکھی مشین پر سے سیسے کے دو بھاری بھر کم ڈھکن گھما کر مشین سے الگ کئے اور دو فٹ لمبے اسٹیل کے ایک چمچے کی مدد سے رو پہلے رنگ کا ایک گیند نما گول گنکا باہر نکال لیا۔ جونی اور ڈل بھی تجسس کے مارے اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ چوفو یک لخت مڑا اور ان دونوں کو دیوانگی کے انداز میں پیچھے دھکیل دیا۔

”دور ہو جاؤ۔ خبردار۔ آگے مت آنا۔“ وہ ہسٹریائی انداز میں چیخا۔ جونی اور ڈل پیچھے ہٹ کر ساکت کھڑے ہو گئے۔ چوفو کے لمبے میں غصے کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے لئے ہمدردی کا عنصر بھی تھا۔ اس نے مشین میں سے رو پہلے رنگ کا جو گنکا نکالا تھا۔ وہ تابکاری شعاعوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور اگر جونی یا ڈل میں سے کوئی بھی آگے بڑھتا تو لازماً تابکاری شعاعوں کی زد میں آ جاتا۔ چوفو نے اپنے جسم پر تابکاری شعاعوں سے محفوظ رکھنے والی مخصوص کٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس

لئے اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں تھا۔ مگر وہ یہ برداشت نہ کر سکتا تھا کہ اس کے ساتھی تابکاری شعاعوں کی لپیٹ میں آئیں۔

چوفو چمچے کی گرفت میں تابکاری گنکا پکڑے ہوئے دوسری طرف مڑ گیا۔ گھٹکے کے اندر شعاعوں کا بھر جانا اس امر کی نشاندہی کرتا تھا کہ تابکاری مشین درست کام نہیں کر رہی۔ گھٹکے سے شعاعیں خارج ہو کر مشین کے اندر چلی جاتی تھیں۔ مگر یہاں تو الٹا عمل ہو گیا تھا۔ جونی اور ڈل بھی اس بات کو بخوبی جانتے تھے۔ لہذا وہ یہ رسک نہیں لے سکتے تھے کہ اپنے جسموں کو تابکاری شعاعوں کے سامنے لے آتے۔ چمچے سے اسی طرح پکڑے پکڑے چوفو نے چمکدار گھٹکے کو تابکاری پیا کی قلزاتی دہانے کے سامنے کر دیا۔ اس عمل کی وجہ سے دو فٹ کے فاصلے ہی سے تابکاری کی جانچ کرنے والے اس آلے میں سے چڑچڑ کی آواز پیدا ہونی شروع ہو جانی چاہیے تھی۔ لیکن وہ آلہ بالکل خاموش تھا۔ حیرت و خوف سے چوفو کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔ چمچا اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ وہ پاگل پن کی حد تک شپٹا کر رہ گیا تھا۔ جس شیشے کی پلیٹ پر ہندسے درج تھے۔ وہاں روشنی کے لفظوں میں سے کوئی ایک بھی روشن نہ ہوا۔ کہیں بہت بڑی گڑبڑ ہو چکی تھی۔

”اوہ۔ ڈرٹی سوائمن۔ سن آف نیچ۔ یہ تابکاری پیا تو خراب ہو چکا ہے۔“ چوفو نے غصے سے تابکاری پیا کو گھورتے ہوئے مغلظات بکنا شروع کر دیں۔ پھر اس نے کڑوا سا منہ بناتے ہوئے گھٹکے کو دوبارہ شیشے کے ڈھکنوں کے نیچے پوشیدہ کر دیا۔

جونى اور ڈل تيزى سے چوفو کے دفتر سے نکلے اور آندھى و طوفان کى طرح لى زے کے کمرے ميں جا گھسے۔ جونى نے لى زے کو بهى جلدى جلدى صورتحال سے آگاہ کر ديا۔ لى زے سينئر ترين سائنسدان تھا اور کليويا سے پہلے وہ ايکريميا کے ايٹمى پلانٹ ميں کام کر چکا تھا۔ تابکاری پر اس کى ريسرچ اتھارٹى کا درجہ رکھتى تھى۔ جونى کى باتيں سن کر لى زے کے چہرے پر حيرت کى پرچھائياں لہرانے لگيں۔

”يہ بات ميرى سمجھ سے بالاتر ہے کہ ڈيپارٹمنٹ کے تمام کے تمام تابکاری پيا ايک ہى وقت ميں کيسے خراب ہو گئے ہيں۔ دیکھو ناب ان کے خراب ہونے ميں کوئى وقفہ بهى نہيں ہے۔“ لى زے نے ايک مرکري اسکرين پر نظريں جماتے ہوئے نہایت متخير لہجے ميں کہا۔ وہ اسکرين ڈيپارٹمنٹ کے تمام تابکاری پياؤں کى کارکردگى کو ظاہر کرتى تھى۔ اور اب وہاں تمام تابکاری پياؤں کے سامنے 000 کے ہندسے دکھائى دے رہے تھے۔

”ايک گھنٹہ گزر جانے کے بعد بهى ان ميں سے ايک بهى دوبارہ چالو نہيں ہو سکا۔ چوفو جيسا ذہن سائنسدان بهى اس ناقابل يقين صورتحال پر شديد حيرانگى ميں مبتلا تھا۔ وہاں موجود سب لوگ پریشاني ميں مبتلا ہو گئے تھے۔ يک لخت ان پر جيسے سکتہ سا طارى ہو گیا اور آنکھيں پتھرا سي گئيں۔ ڈل اور لى زے اپنا سر پکڑ کر بيٹھے تھے۔ ان کے جسم حرکت نہيں کر رہے تھے۔ باہر مرکزى ہال ميں موجود ديگر اسٹاف پر بهى يہى ہسٹريائى کيفيت اچانک طارى ہو گئی تھى۔ صرف جونى ايسا شخص تھا

جو نارمل حالت ميں تھا اور وہ حيرت و تشویش سے ديدے ٹپٹپا کر ديگر لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو پتھر کے بت بن کر رہ گئے تھے۔

”لى زے..... ڈل..... تم لوگوں کو کیا ہوا ہے۔ يہاں تابکاری پيا ناکارہ ہو چکے ہيں اور تم پتھر کے بت بن کر رہ گئے ہو۔“ جونى نے بوکھلائے ہوئے لہجے ميں ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

”تابکاری پيا۔“ لى زے نے يک لخت چونکتے ہوئے جونى کى طرف دیکھا۔

”ہاں۔ تابکاری پيا۔ تم نے خود دیکھا ہے کہ يہ سب ناکارہ ہو کر رہ گئے ہيں۔ آخر يہ سب ہوا کيسے۔“ جونى کى آواز لرز رہى تھى اور اس کے چہرے پر ہوائياں اڑ رہى تھيں۔

”مير ا دماغ سنستا رہا ہے جونى۔ لگتا ہے کوئى نايدہ قوت ميرے دماغ ميں آگھسى ہے۔ اور..... ميرے ذہن ميں يہ خيال پرورش پا رہا ہے کہ تابکاری پيا کوئى بهى خراب نہيں ہوا۔ اس کے برعکس اب ايسى کوئى چيز ہى موجود نہيں جس کى پيائش تابکاری پيا کر سکیں۔“ لى زے نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب۔ ميں تمہارى بات سمجھا نہيں۔“ جونى نے شديد حيرت کا اظہار کیا۔

”مير مطلب يہ ہے کہ اس عمارت ميں تابکاری کا نام و نشان بهى ختم ہو چکا ہے۔“ لى زے نے گہرى سوچ ميں ڈوبى آواز ميں جواب ديا۔

”یہ بات تم کس بنیاد پر کہہ رہے ہو۔“ — جونی نے اسے حیرت سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”بات یہ ہے کہ اگر کوہالٹ کے سٹلکے کا تابکاری پیاؤں پر کوئی اثر نہیں ہوتا تو یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ وہ سب خراب ہو چکے ہیں۔ لیکن جب اسی سٹلکے سے تابکاری کا کوئی دوسرا کام بھی نہ لیا جاسکے تو پھر یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے کہ اس میں تابکاری کی صلاحیت سرے سے ختم ہو چکی ہے۔“ — لی زے نے قدرے تفصیل میں جاتے ہوئے جواب دیا۔

”لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ سٹلکے میں تابکاری ختم ہو چکی ہے۔“ جونی نے پھر حیرت زدہ انداز میں پوچھا۔

”اس طرح کہ دو بجے تک یہ بالکل ٹھیک کام کر رہا تھا۔ اب یہاں میں نے یہ ٹچ بلینڈ دھات کا دو کلو وزن کا ٹکڑا اپنے تابکاری پیا پر رکھا ہے۔ لیکن اس کا بھی آلے پر اثر نہیں ہو رہا۔ اب تم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس میں یورینیم کا عنصر ہی شامل نہیں ہے۔“ — لی زے نے کہا اور جونی حیرت سے اس کا منہ تکتے لگا۔

”لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سرے سے تمام تابکاری کا وجود یہاں سے یک لخت ختم ہو جائے۔ کیا یہ کسی دشمن کی کارروائی ہے۔“ — جونی کی حیرت دو چند ہو رہی تھی۔

”جونی۔ تم ایک بہترین سائنسٹ ہو اور اچھی طرح جانتے ہو کہ آج کی ایڈوانس اٹامک ورلڈ میں سب کچھ ممکن ہے لیکن اس وقت میرا

دماغ بالکل ماؤف ہو رہا ہے۔“ — لی زے نے ٹھٹھرتی ہوئی آواز میں کہا۔ جونی نے مڑ کر ڈل کی طرف دیکھا تو وہ اپنا سر میز پر رکھے دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں تھامے ہوئے تھا اور اس کا جسم ساکت تھا۔

”ڈل۔ تم ٹھیک تو ہو۔ تم کیا کہتے ہو اس صورتحال کے بارے میں۔“ — جونی نے انتہائی تشویش کن لہجے میں اس سے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میرا دماغ وزنی ہو رہا ہے۔ دھماکے ہو رہے ہیں میرے دماغ میں۔ تم خاموش رہو۔“ — ڈل نے بری طرح زچ ہوتے ہوئے کہا۔

”یہ تم سب کو کیا ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت ہمیں کسی اور چیز پر غور و فکر کرنے کے بجائے فوراً ڈاکٹر بوزو سے رابطہ قائم کرنا چاہئے۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ کسی دشمن ملک نے تابکاری کو ختم کرنے کا طریقہ دریافت کر لیا ہے اور اب وہ اپنی ایجاد کو کلیویا کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ اس طرح وہ ہمارے تمام بہوں کو ناکارہ بنا دے گا۔ لہذا ہمیں فوراً ڈاکٹر بوزو کو فون کر کے اس نازک صورتحال سے آگاہ کر دینا چاہئے۔“ — جونی نے انتہائی تشویش کن لہجے میں کہا۔

اور پھر وہ ہاٹ لائن پر ڈاکٹر بوزو سے رابطہ کرنے لگا۔ رابطہ جلد ہی قائم ہو گیا۔ دوسری طرف سے ڈاکٹر بوزو کے پی اے نے کال رسیو کی۔ جونی نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے اس سے ڈاکٹر بوزو سے بات کروانے کے لئے کہا۔ کچھ ہی دیر بعد ڈاکٹر بوزو لائن پر آ گئے۔

”ڈاکٹر بوزو بول رہا ہوں جونی۔ کیا بات ہے۔“ — ڈاکٹر بوزو

نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

”سر۔ غضب ہو گیا ہے۔ کوئی دشمن طاقت ہمارے جوہری بموں کو ناکارہ بنانے میں مصروف ہے۔ براہ کرم اس نازک صورتحال کا فوراً نوٹس لیا جائے۔“ جوئی کے لہجے میں تھر تھراہٹ شامل تھی۔

”جوہری بم۔ کون سے جوہری بم۔ میں نے تو آج تک ان بموں کا نام تک نہیں سنا۔ کیا تم اپنے ہوش و حواس میں ہو۔“ دوسری طرف سے ڈاکٹر بوزو نے قدرے تلخی سے کہا اور یہ حیرت انگیز جواب سن کر جوئی سناٹے میں آ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ڈاکٹر بوزو نے ایسا کہے گا۔

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں سر۔ آپ اس اثاثہ پر اجیکٹ کے سربراہ ہیں۔ اور آپ کہہ رہے ہیں کہ جوہری بموں کا نام بھی آپ نے نہیں سنا۔“ جوئی نے ششدر انداز میں کہا۔

”بھواس بند کرو۔ اور میری کھوپڑی مت چاٹو۔ مجھے آرام کی ضرورت ہے۔ اور تم جو کام کر رہے ہو وہ کرو۔“ ڈاکٹر بوزو نے تقریباً چیختی ہوئی آواز میں کہا اور ساتھ ہی فون بند کر دیا۔ رسیور جوئی کے ہاتھ میں لہراتا رہ گیا۔ وہ سکتے کی سی حالت میں تھا۔

”کیا کہہ رہے تھے ڈاکٹر بوزو۔“ لی زے نے پوچھا۔ اس پر عجیب خوابیدہ کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

”اٹ از ٹوچ ونڈر۔ انہوں نے جو کہا میں اس کی توقع خواب میں بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ انہوں نے تو یہ مانتے سے ہی انکار کر دیا ہے کہ

یہاں جوہری بم نام کی کوئی چیز موجود ہے۔“ جوئی کا لہجہ استعجاب آمیز تھا۔

”یار۔ تم نہ جانے کس فکر میں دبلے ہوئے جا رہے ہو۔ جب جوہری بم نام کی کوئی چیز یہاں موجود ہی نہیں تو پھر اس کے کارآمد یا ناکارہ ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔“ اس بار ڈل نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا اور جوئی چونک کر اسے گھورنے لگا کہ کہیں اس کا بھی دماغ تو نہیں سٹھیا گیا ہے۔ مگر ڈل کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

”کیا بھواس کر رہے ہو تم ڈل۔ میرا خیال ہے حکومت کو علم ہو گیا ہے کہ کلیویا اثاثہ پر اجیکٹ کے تمام جوہری بم ناکارہ ہو چکے ہیں اور اسی لئے ڈاکٹر بوزو نے اس تلخ حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے ہمیں کچھ بتانے کے بجائے ٹال دیا ہے۔ کوئی بہت ہی سیریس اور سیکرٹ معاملہ ہو رہا ہے۔“ جوئی نے غصے سے کہا۔

”کیا بات کر رہے ہو جوئی۔ یہ بات تو میں اور لی زے بھی جانتے ہیں کہ جوہری بم نام کی کوئی چیز کلیویا میں موجود نہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ آج کل تم بہت زیادہ کام کر رہے ہو۔ اور اسی لئے شاید تمہارے دماغ پر کچھ منفی اثر ہو گیا ہے جوئی۔ تم ان دیکھی چیزوں کا نام لے رہے ہو جن کا کوئی وجود ہی نہیں۔“ ڈل نے عجیب انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ کیسا بے ہودہ مذاق کر رہے ہو تم۔ ڈل کے بچے۔ تم خود اپنے

یہ بات گہری سنجیدگی سے کہی تھی اور جونی مزید ششدر ہو کر رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جن لوگوں کا جوہری بم بنانے میں اپنا ہاتھ تھا وہ صاف کہہ رہے تھے کہ وہ اس نام کی کسی چیز کو جانتے ہی نہیں اور ادھر ڈاکٹر بوزو جو اس اٹامک پراجیکٹ کا چیف تھا وہ بھی اس سے لاعلمی ظاہر کر چکا تھا۔ جب ڈاکٹر بوزو ہی انکار کر چکا تھا کہ جوہری بم کیا چیز ہے تو وہ دوسروں کے بارے میں کیا سوچتا۔ کوئی بھی یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا کہ ان کا کوئی وجود بھی ہے۔ وہ الٹا جونی پر ہنس رہے تھے اور جونی کو وہ سب پاگل نظر آ رہے تھے۔ کچھ دیر پہلے تک وہ سب نارمل تھے مگر..... اب وہ کسی نامعلوم ہسٹریائی کیفیت کے حصار میں تھے اور یہ صورتحال جونی کے لئے انتہائی پریشان کن تھی۔

”چونو۔ اچھا ہوا تم آگئے ورنہ میں انٹرکام پر تم سے رابطہ کرنے والا تھا۔ یہ ڈل اور لی زے سنگین قسم کا مذاق کر رہے ہیں اور ادھر ڈاکٹر بوزو بھی۔“ — جونی نے زہر آلود لہجے میں اپنی بات مکمل کرتا چاہی مگر لی زے نے اسے درمیان میں ہی ٹوک دیا۔

”جوہری بم۔ نہیں ڈیر۔ میں نے واقعی کبھی اس چیز کا نام تک نہیں سنا۔ لیکن بات کیا ہے۔ تم سب پریشان کیوں ہو۔“ — چوفو نے بے غرضانہ انداز میں اپنے کندھے اچکاتے ہوئے کہا مگر اس نے

”بھئی جونی ڈیر۔ تم نے ضرور کوئی حیرت انگیز، پراسرار کہانیوں والی کتاب پڑھی ہوگی۔ اس قسم کی انوکھی چیزوں کا ذکر ایسی ہی کتابوں میں ہوتا ہے۔“ چوفو نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور جونی نے چکرا کر اپنا سر تھام لیا۔

”سٹ اپ۔ میں نے کوئی ایسی کتاب نہیں پڑھی۔ تم سب ضرور پاگل ہو چکے ہو۔ یا تم پر کسی نے جادو ٹونہ پھونک دیا ہے۔“ — جونہی نے بری طرح تلملاتے ہوئے کہا مگر وہ تینوں حد درجہ سنجیدہ تھے۔ اس لئے جونہی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ یہ تینوں بلکہ اٹامک پلانٹ کے دیگر لوگ بھی۔ اس نامعلوم دشمن سے ملے ہوئے ہیں جو ان کے پراجیکٹ سے تابکاری ختم کر رہا تھا۔ مگر ڈاکٹر بوزو کیا وہ بھی دشمنوں سے

مل چکا ہے۔؟ جوئی سوچ رہا تھا کہ اسے اپنی وزارتِ دفاع کو اس مسئلے سے آگاہ کرنا چاہئے مگر اس کے لئے ڈاکٹر بوزو کی پیشگی اجازت حاصل کرنا ضروری تھی۔ وہ بے بسی سے ہونٹ چبانے لگا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم سب کو کیا ہو گیا ہے۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر بوزو بھی۔ کم از کم یہ چوفو تو ہمیشہ سنجیدہ رہنے والا آدمی ہے۔ خیر۔ ڈل تم مجھے گلیسٹن کی کتاب دو۔ پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جوہری بم کیا ہوتا ہے۔“ اب کی بار جوئی نے بھی سنجیدگی سے کہا۔ ڈل نے الماری میں رکھی ایک کتاب کی طرف اشارہ کیا۔

”وہ رہی تمہاری مطلوبہ کتاب۔ کیا میں نکال کر دوں۔“ ڈل نے خفگی سے کہا۔ جوئی نے مڑ کر الماری کی طرف دیکھا۔

”نہیں ڈل۔ یہ تو طبیعتی کیمیا کی ایک عام سی کتاب ہے۔ میں تو گلیسٹن کی اس کتاب کے بارے میں پوچھ رہا ہوں جو کہ جوہری توانائی پر اتھارٹی سمجھی جاتی ہے۔“ جوئی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”بھئی۔ ایسی تو کوئی کتاب میرے پاس نہیں ہے۔ یہ گلیسٹن کون ہے۔“ اس مرتبہ لی زے نے جواب دیا۔ وہ حسب معمول سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”کیا بکو اس کر رہے ہو تم سب۔ ڈاکٹر گلیسٹن جوہری توانائی کے علوم کا دنیا بھر میں سب سے بڑا ریسرچر ہے۔ اور یہ بات تم سب بخوبی جانتے ہو اور اس کی وہ جوہری توانائی والی کتاب ہمیشہ تو اس

الماری میں رکھی رہتی تھی۔ سینکڑوں مرتبہ تو خود میں نے دیکھی ہے۔ اب کہاں گئی۔“ جوئی نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا۔

”شاید تمہیں وہم ہو گیا ہے۔ یا پھر تمہاری طبیعت خراب ہے۔ بھئی آخر یہ جوہری توانائی ہوتی کیا بلا ہے۔ جس کے لئے تم اتنا پریشان ہو رہے ہو۔“ ڈل نے چوفو اور لی زے کی طرف دیکھتے ہوئے جوئی سے مخاطب ہو کر تعجبی انداز میں کہا۔

”بہت خوب۔ تم بالکل انجان بن رہے ہو۔ جیسے جانتے ہی کچھ نہیں۔ اگر تم اپنے بال نوچ رہے ہوتے۔ یا سڑک کے درمیان کھڑے ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ رہے ہوتے تو میں سمجھتا کہ تم واقعی پاگل ہو چکے ہو۔ لیکن تم ایسا کچھ نہیں کر رہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تم بالکل نارمل ہو۔ اور مجھے شبہ ہے کہ تم دشمن سے ملے ہوئے ہو۔“ جوئی نے پھاڑ کھانے والی نظروں سے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

”واٹ نان سنس۔ ہم دشمن سے کیوں ملیں گے۔ اور خواہ مخواہ پاگل کیوں ہوں گے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ یہ الفاظ تمہارے لئے استعمال کئے جانے چاہئیں کیونکہ تم ہمیں مسلسل زچ کئے جا رہے ہو۔“ لی زے نے باقاعدہ غصے سے کہا۔

”یہ بعد میں طے کر لیں گے کہ کون کسے زچ کر رہا ہے۔ فی الحال تو میں یہ ثابت کر کے رہوں گا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سو فیصد صحیح ہے۔ تم مجھے کامن کی کتاب دو۔ وہ بھی تو بیالوجی اور تابکاری کے اوپر لکھی گئی ہے۔“ جوئی نے اچانک کسی خیال کے تحت کہا۔

”ایسی کوئی بھی کتاب میرے پاس نہیں۔ آخر تم نے یہ تابکاری کا ذکر کہاں سے پڑھ لیا ہے۔“ لی زے نے خاصی رکھائی سے جواب دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈل اور چوفو بھی حیرت بھری نظروں سے اس کا چہرہ تک رہے تھے۔

”ابھی بتاتا ہوں۔ تم ایسے نہیں مانو گے۔“ جونی نے برہمی کے انداز میں کہا اور پھر اٹھ کر وہ کتابوں کی شیلف کے پاس چلا گیا۔ وہاں گلیکشن کی طبیعتیاتی کیمیا کی کتاب رکھی ہوئی تھی۔ جونی نے کتاب نکال کر اسے الٹا پلٹنا شروع کر دیا۔ ہر مضمون جوں کا توں تھا لیکن اب اس میں تابکاری کا سرے سے کہیں ذکر نہ تھا۔ جونی نے حیرت و استعجاب سے کئی مرتبہ صفحے الٹے پلٹے لیکن تابکاری کا مضمون تلاش کرنے میں اسے کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس نے کتاب پر اشاعت کی تاریخ پڑھی تو یہ کتاب کا تازہ ترین ایڈیشن تھا۔ آخر یہ تابکاری والا مضمون کہاں چلا گیا؟ جونی نے حیرت سے سوچا۔

کچھ لمحے شدید مخمضے میں غوطہ زن رہنے کے بعد آخر اس نے پریشان ہو کر وہ صفحہ نکالا جس پر عناصر کی جدول ترتیب سے چھپی ہوئی تھی۔ اس نے ترتیب پر ایک نظر ڈالی تو بھونچکا رہ گیا۔ وہاں صرف اکیاسی عناصر دیئے گئے تھے اور یہ سب غیر تابکاری عناصر تھے۔ جبکہ کل کیمیاوی عناصر ایک سو تین تھے۔ اب تو جونی کے ہاتھ کپکپانے لگے اور وہ حیرت کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق ہو گیا۔ اس کا حلق خشک ہو چکا تھا جبکہ لی زے، ڈل اور چوفو اسے طنزیہ نظروں سے گھور رہے تھے۔

”کیوں۔ مل گیا ہے تمہیں وہ۔ تابکاری کا جن بھوت۔ بہت ڈینگلیں مار رہے تھے تم۔“ چوفو نے بد مزاجی سے کہا۔

”نہ جانے یہ کیا پراسرار معاملہ ہے۔ گلیکشن کی کتاب میں سے بھی تابکاری کا ذکر مکمل طور پر غائب ہے۔ حالانکہ یہ کتاب تابکاری کے علم پر سب سے بڑی اتھارٹی ہے۔“ جونی شدید شش و پنج میں مبتلا تھا۔

”لیجئے۔ یہ حضرت ابھی بھی اسی تابکاری کے تالاب میں غوطے کھا رہے ہیں۔ لگتا ہے اس کے سر پر تابکاری کا بھوت سوار ہو گیا ہے۔“ لی زے نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

”یا پھر تابکاری کا کوئی کیڑا اس کے دماغ میں گھس گیا ہے۔ بے چارہ جونی۔ ابھی تو اس کی شادی بھی نہیں ہوئی اور اس سے پہلے ہی یہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے۔ بھلا اب کون بد قسمت لڑکی اسے پسند کرے گی۔“ ڈل نے بھی اس پر طنز کے تیر برسائے۔

”یار۔ تم کتنے جاہل ہو۔ جونی ہمارا دوست ہے۔ آج کل شیزو فرینیا کی بیماری عام ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے دماغ پر اس کا ایک ہوا ہو۔ علاج کرانے سے ٹھیک ہو جائے گا۔“ چوفو نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ مگر صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ بھی جونی پر طنز کر رہا تھا۔ وہ تینوں زیر لب مسکرا رہے تھے۔

”تم چاہے کچھ بھی کہو۔ لیکن میرا موقف اب بھی نہیں بدلا ہے۔ اور ہاں۔ تم نے کبھی یورینیم کا نام تو سنا ہو گا۔“ جونی نے اچانک

ان سے سوال کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید وہ یورینیم کا نام سن کر ضرور چونکیں گے۔ مگر ان کے چہرے حسب معمول سپاٹ اور بے تاثر تھے۔
 ”نہیں۔ میں نے تو نہیں سنا۔“ لی زے نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”کیا یہ کسی نئی بیماری کا نام ہے۔“ چوفو نے بھی اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

”میرا خیال ہے یہ کسی اینٹی بائیوٹک میڈیسن وغیرہ کا نام ہو گا۔“
 ڈل نے منہ بسورتے ہوئے دخل در معقولات کیا۔

”تم تینوں کے خیالات پھر غلط ہیں اور اب مجھے یقین ہو چکا ہے کہ تم سب مل کر مجھے کامیابی سے بے وقوف بنا رہے ہو۔ ابھی کچھ دیر پہلے تم تابکاری پیاؤں کے لئے بے حد پریشان ہو رہے تھے اور اب جانتے ہی نہیں کہ تابکاری کیا ہے۔ جوہری بم کیا ہیں۔ اور یہ کہ یورینیم کیا ہے۔ میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ تم نے مجھے بے وقوف بنانے کے لئے یہ نقلی کتاب یہاں لا کر رکھ دی ہے۔ جو تابکاری کے موضوع پر لکھی گئی ہے لیکن اب اس میں تابکاری کا ذکر تک نہیں ہے۔ لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ آخر تم میرے ساتھ یہ سنگین مذاق کیوں کر رہے ہو۔“ جوئی نے قدرے کھردرے لہجے میں انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ مائی گاڈ۔ یہ جوئی بالکل ہی سٹھیا چکا ہے۔ یہ نہ تو اپریل کا مہینہ ہے جوئی اور نہ ہم تمہیں فول بنا رہے ہیں۔ لگتا ہے تم خود ہی شوقیہ طور پر بے وقوف بن رہے ہو۔ میرا خیال ہے تمہیں اس وقت گھر

چلے جانا چاہئے۔ تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگتی۔ ڈل تم ٹیکسی میں جوئی کو اس کے گھر پہنچا دو۔ اس کام کے لئے پیشگی تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں۔“ لی زے نے پہلے جوئی اور پھر ڈل سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

”کوئی ضرورت نہیں۔ میں نے گھر جانا ہو گا تو اپنی گاڑی میں چلا جاؤں گا۔ اور میری طبیعت ذرا برابر بھی خراب نہیں ہے۔ مسٹر لی زے۔ میں مکمل طور پر فٹ ہوں۔ سمجھے تم۔ اور یہ جو تم میرے ساتھ چالاکی کھیل رہے ہو تو میں سمجھ لوں گا تم سے۔“ جوئی نے غصیلے لہجے میں کہا اور باہر جانے کے لئے مڑا۔ مگر اسی لمحے اس کی نظر لی زے کی میز کے دائیں طرف رکھے تابکاری پیا پر پڑی۔ اس کے ذہن میں برق کے کوندے کی طرح فوراً ایک خیال ابھرا۔

”ارے۔ یہ تابکاری پیا تو بالکل درست حالت میں کام کرتا معلوم ہوتا ہے۔“ اس نے چیخ کر کہا۔ اس نے اندھیرے میں تیر جھوڑا تھا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔

”یو ڈیم فول جوئی۔ تمہاری طبیعت واقعی خراب ہے۔ جس چیز کو تم تابکاری پیا کہہ رہے ہو وہ اصل میں اکاؤنٹنگ مشین ہے اور واقعی ٹھیک ٹھاک کام کر رہی ہے۔ اس میں فی الحال کوئی خرابی نہیں۔“ لی زے نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔ ہو سکتا ہے مجھے غلطی لگی ہو۔ لیکن یہ تمہاری میز پر جو نیم پلیٹ رکھی ہے اس پر تمہارے نام کے نیچے ”کے۔ اے۔ پی“ کا

خدا۔ اتنی گھناؤنی سازش۔ اور اس الو کے پٹھے لی زے کے بچے نے دھوکہ دینے کے لئے اپنی شیلف میں جعلی کتاب رکھی ہوئی ہے اور تم نے دیکھا تم سمیت وہ سب مجھے پاگل قرار دینے کی فکر میں مبتلا نظر آتے تھے۔ خدا اگر تم میرا ساتھ دو تو ہم اس سازش کا پردہ چاک کر دیں گے۔“ جونہی نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”جونہی۔ تم واقعی میرے گہرے دوست ہو۔ لیکن یقین کرو کوئی سازش نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ تم واقعی ذہنی خلفشار کا شکار ہو رہے ہو۔ میرا خیال ہے تمہیں اس تابکاری، جوہری بم، یورینیم نام کے کلبلاتے کیڑوں کو اپنے دماغ سے نکالنے کی خود ہی کوشش کرنی چاہیے۔ بھی تم خود سوچو جس چیز کا کوئی وجود ہی نہ ہو تو خواہ مخواہ اس کے وہم میں مبتلا ہونے کا کیا فائدہ۔ چوہو اور لی زے بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اور پھر ڈاکٹر بوزو کیوں تم سے مذاق کرے گا۔ وہ نہایت سنجیدہ آدمی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تمہیں فوراً گھر جا کر ڈاکٹر کو ٹریٹمنٹ کے لئے بلوانا چاہئے۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔“ ڈل نے فکر مندی سے کہا۔

”کیا ڈاکٹر ڈاکٹر کی رٹ لگا رکھی ہے تم نے۔ میں پچاس مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ میں بالکل ٹھیک ہوں اور ہاں اگر تم مجھ سے مذاق نہیں کر رہے اور یہ کوئی گہری سازش نہیں ہے تو پھر خدا کو حاضر و ناظر جان کر مجھے بتاؤ کہ کیا تم جوہری بم سے ناواقف ہو۔ اور کیا یورینیم کسی

مونوگرام بھی کندہ ہے اور تم جانتے ہو اس کا مطلب کیا ہے۔ یعنی کلیویائی ایٹمک پلانٹ۔ ٹھیک ہے ناں۔“ جونہی نے گلو گرفتہ لہجے میں کہا۔

”نہیں میرے دوست۔ تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے۔ اس کا مطلب ہے ”کلیویائی الکوحل پلانٹ“ یعنی ہاٹ ڈرنکس تیار کرنے والا پلانٹ۔ دہسکی، براڈی، اسکاج اور خیر چھوڑو۔ تم بھی تو پیتے ہو۔ اب تم اچھے بچوں کی طرح گھر جا کر ڈاکٹر سے چیک اپ کراؤ۔ تمہیں اس وقت میڈیکل ٹریٹمنٹ کی اشد ضرورت ہے۔ یار ڈل اسے گھر چھوڑ آؤ نا۔“ لی زے نے عاجز آتے ہوئے انداز میں کہا اور ڈل اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”چلو میرے ساتھ۔“ اس نے جونہی کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور اسے تقریباً کھینچتا ہوا عمارت سے باہر لے آیا۔ یہ ایک مضافاتی علاقہ تھا اور سڑک کے ارد گرد اکا دکا عمارتیں ہی تھیں۔ مگر وہ سب فلک بوس عمارتیں تھیں اور ان میں کلیویائی حکومت کے حساس اداروں کے دفاتر واقع تھے۔ سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ اٹامک پلانٹ سے نکل کر سڑک کے کنارے پر آ گئے۔

”دیکھو ڈل۔ تم تو میرے دوست ہو۔ کم از کم تمہیں اس سازش میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ مت ان کا ساتھ دو۔ یہ تو خفیہ دشمن سے ملے ہوئے ہیں اور ہمارے تمام کے تمام جوہری بم ناکارہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ کلیویا کو دشمن کے ہاتھوں بچ چکے ہیں۔ اف میرے

میڈیسن کا نام ہے۔ بولو۔ کیا تم ان چیزوں سے واقف نہیں ہو۔“ جونہی نے جذباتی پن سے کہا۔

”میں بدھا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے جوہری بم کا نام تک نہیں سنا اور مجھے یہ بھی علم نہیں کہ یورینیم کس بلا کو کہتے ہیں۔“ ڈل نے گہری سنجیدگی سے کہا اور اس کی بات سن کر جونہی کے دماغ میں حقیقی دھماکے ہونے لگے۔ اسی اثناء میں ایک ٹیکسی وہاں سے گزری تو ڈل نے فوراً اسے روک لیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور اشارے سے جونہی کو اندر بیٹھنے کے لئے کہا۔ غصے کی شدت سے جونہی کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا۔ لیکن اس نے تحمل مزاحی سے کام لیا اور خاموشی سے ٹیکسی کی عقبی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈل نے ٹیکسی کا دروازہ بند کر کے ڈرائیور کو جونہی کے گھر کا پتہ سمجھایا اور پھر مز کر اس نے ہاتھ ہلا کر جونہی کو خدا حافظ کہا۔ ٹیکسی آگے بڑھی تو جونہی نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر ڈل کو مخاطب کیا۔

”واپس جا کر لی زے، چوفو اور اسٹاف کے دوسرے لوگوں سے بھی کہہ دینا کہ وہ اپنی مذموم سازش میں کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اس اٹامک پلانٹ کی بنیادوں میں میرا خون بھی شامل ہے اور میں اسے رائیگاں نہیں جانے دوں گا۔ میں سب کچھ سمجھ چکا ہوں اور سب سازشی لوگوں کو بخوبی دیکھ لوں گا۔ ڈاکٹر بوزد کو بھی۔ وہ بلڈی بلڈاگ۔“ جونہی نے چیختے ہوئے کہا۔ ٹیکسی اب تیزی سے آگے بڑھ گئی تھی۔ اگلے موڑ پر جب ٹیکسی پہنچی تو جونہی نے ٹیکسی ڈرائیور کو کلیویائی دارالحکومت کنگ

چوٹی کے خفیہ پولیس ہیڈ کوارٹر چلنے کے لئے کہا۔ وہاں اس کا ایک دوست انسپکٹر تعینات تھا اور جونہی اسے حقیقت حال سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔

جونہی کے پاس اس سازش کا پردہ چاک کرنے کے لئے بہت ٹھوس ثبوت موجود تھے۔ وہ پچھلے چھ سال سے کلیویا کے اس اٹامک پراجیکٹ سے منسلک تھا۔ پھر یکا یک دو چار منٹ کے اندر یہ ادارہ الکوحل کشید کرنے والے پلانٹ میں کیسے تبدیل ہو سکتا تھا۔ جونہی کی دانست میں یہ ایک بھونڈا مذاق تھا۔ وہاں سینکڑوں تابکاری پیپا اور زیر تکمیل جوہری بم اب بھی موجود تھے۔ چنانچہ جونہی کو یقین تھا کہ وہ اس گھناؤنی سازش کو با آسانی بے نقاب کر دے گا۔ اس کے ملک کا جو کوئی بھی دشمن تھا وہ اسے کچل کر رکھ دے گا۔ اس نے تمہیہ کر لیا تھا کہ وہ لی زے، چوفو اور ڈل بلکہ ڈاکٹر بوزد جیسے خدایوں کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لے گا۔ وہ یہی سوچ رہا تھا کہ یکا یک اس نے دیکھا کہ ٹیکسی ڈرائیور کسی اور طرف جا رہا ہے۔ اس نے اپنے سر کو جھٹکا اور غصے سے چیخا۔

”ڈرائیور۔ یہ تم کہاں جا رہے ہو۔“ جونہی کے لہجے میں اشتعال تھا لیکن ڈرائیور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”ڈرائیور۔ فوراً ٹیکسی روکو۔ میں نے تمہیں خفیہ پولیس ہیڈ کوارٹر چلنے کے لئے کہا تھا۔ مگر تم کسی اور طرف جا رہے ہو۔“ جونہی دوبارہ گرجتا ہوا بولا لیکن ڈرائیور نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ ٹیکسی پوری تیز رفتاری سے سڑک پر دوڑتی چلی جا رہی تھی۔ جونہی نے

”یہ بھی سازش کا حصہ ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور پولیس ہیڈ کوارٹر کے بجائے کسی اور طرف جا رہا ہے۔ یہ راستہ پولیس ہیڈ کوارٹر کی طرف تو نہیں جاتا اور نہ ہی میرے گھر کی طرف جاتا ہے۔ یقیناً یہ ٹیکسی ڈرائیور بھی اس گھناؤنی سازش میں شامل ہے۔ بہت بڑی تنظیم ہے یہ ان خفیہ دشمنوں کی۔ میرا خیال ہے میں شاید ان کا کچھ نہ بگاڑ سکوں گا بلکہ اب میں خود ان کے رحم و کرم پر ہوں۔ ان غداروں نے یہ ٹیکسی پہلے ہی سے اٹاک پلانٹ کی عمارت کے باہر کھڑی کر رکھی ہوگی۔ لیکن اب میں کیا کروں۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے مجھے چیخ و پکار کرنی چاہئے۔“

جونی نے سوچا مگر دوسرے ہی لمحے اس نے محسوس کیا کہ اس کا گلا بری طرح خشک ہو چکا ہے اور اس کی آواز نہیں نکل رہی۔ ٹیکسی کے اندر کوئی نامعلوم سی گیس بھر رہی تھی۔ جونی نے تلملا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا مگر وہ لاک ہو چکا تھا اور کھڑکی کے شیشے پہلے ہی بند تھے۔ جونی کا دماغ سائیں سائیں کرنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے اس کا دماغ بڑے زور سے چکرایا اور وہ بے ہوشی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

دات کی سیاہ تانکی میں چانگ شاپنے ہوٹل سے باہر نکلا اور پارکنگ سے اپنی گاڑی نکال کر پیکانگ شاپ کے ڈیفنس ایریا کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے روانگی سے پہلے میک اپ سے اپنا حلیہ قطعی تبدیل کر لیا تھا۔ کاشین سکورٹی فورسز کے چیف جنرل ڈی کو المناک موت سے ہمکنار کرنے کے بعد اب اس کا اگلا ہدف سیکرٹ سیٹلائٹ پراجیکٹ ”پکیو۔ون“ کے ڈائریکٹر جنرل ڈاکٹر طیب تھے۔ کاشین سکورٹی فورسز کے خصوصی دستے، خفیہ ایجنسیوں کے ٹاپ سیکرٹ ایجنٹ اور دیگر قانون نافذ کرنے والے ادارے دیوانہ وار چانگ شاپ کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور ہر جگہ اسے تلاش کیا جا رہا تھا۔ اپنی شناخت چھپانے کے لئے وہ ایک خفیہ نام سے کاجانی تاجر کے روپ میں ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔

ڈاکٹر طیب کی سرکاری رہائش گاہ کاشمین کے دارالحکومت پیکانگ

کے ڈیفنس ایریا میں واقع تھی۔ یہ علاقہ عام آبادی سے قدرے ہٹ کر تھا اور وہاں صرف کاشینی فوج کے اعلیٰ افسران اور حساس اداروں کی ٹاپ موسٹ شخصیات ہی وہاں رہتی تھیں اور یہ ہائی سکیورٹی ریڈالرٹ ایریا تھا۔ کسی عام آدمی کو ڈیفنس ایریا میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اور اس کے لئے متعلقہ رہائش سے انٹری پاس پیشگی حاصل کرنا ضروری تھا۔ سینکڑوں لگژری بنگلوں پر مشتمل اس علاقے کو بلند و بالا آہنی خاردار تاروں کے انتہائی مضبوط جنگلوں سے گورڈ کر دیا گیا تھا اور ان میں ہر وقت برقی رو دوڑتی رہتی تھی۔ لہذا یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی شخص ان آہنی جنگلوں کو عبور کر کے ڈیفنس ایریا میں داخل ہو سکے۔ داخلے کے لئے ایک صرف ایک روڈ تھی جس کے آغاز پر ایک سکیورٹی چیک پوسٹ قائم کی گئی تھی جس سے گزر کر ہی کوئی اس علاقے کے اندر داخل ہو سکتا تھا۔

چانگ شی نے ڈاکٹر طیب کے بنگلے میں داخل ہونے کے لئے پہلے ہی انتظام کر لیا تھا۔ کلیویائی سیکرٹ ایجنسی اور ڈریگن کے پیکو۔ ون پراجیکٹ کے خلاف متحرک ہونے کے بعد کاشین گورنمنٹ نے ڈاکٹر طیب اور پراجیکٹ کی دیگر اعلیٰ شخصیات کی سکیورٹی سخت کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور پھر جنرل ٹی کے اندوہناک واقعہ کے بعد تو کاشین گورنمنٹ مزید ہائی الرٹ ہو گئی تھی۔ چنانچہ چانگ شی نے اس نازک صورتحال سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور کاشین کی وزارت دفاع سے ایک ماہر سکیورٹی ٹیکنیشن کی حیثیت سے رابطہ کیا۔ کاشینی ڈیفنس منسٹر نے خود

اس سے ملاقات کی اور پھر دیگر حکومتی شخصیات کے کہنے پر اسے ایک خصوصی انٹری پاس جاری کر دیا گیا تاکہ وہ سکیورٹی کو مزید مضبوط کرنے کے لئے ڈاکٹر طیب سے مل کر اپنا پلان تیار کر سکے۔ کاشین گورنمنٹ کی طرف سے ڈاکٹر طیب کو ہاٹ لائن پر چانگ شی کی آمد اور مقصد سے آگاہ کر دیا گیا تھا اور انہوں نے اسے مقررہ ٹائم پر اپنے بنگلے پر بلوایا تھا اور اب چانگ شی ایک فرضی نام اور جعلی روپ میں ان سے ملنے جا رہا تھا۔

ڈیفنس کنٹونمنٹ ایریا کی ریڈالرٹ سکیورٹی چیک پوسٹ پر اسے روک لیا گیا۔ وہاں نہ صرف جا بجا سکیورٹی کیمرے نصب تھے بلکہ وہاں سکیورٹی عملہ کے بے شمار مسلح کمانڈوز بھی موجود تھے۔ ایک سکیورٹی آفیسر اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ تیزی سے چانگ شی کی طرف آیا۔ اس نے چانگ شی کو کار سے باہر آنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ وہ کار کا انجن بند کر کے خاموشی سے نیچے اتر آیا۔

”کیا آپ کے پاس انٹری کارڈ موجود ہے۔“ سکیورٹی آفیسر نے خشک لہجے میں پوچھا اور چانگ شی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے خصوصی انٹری کارڈ نکال کر سکیورٹی آفیسر کی طرف بڑھا دیا۔ وزارت دفاع کا جاری کردہ خصوصی انٹری کارڈ دیکھ کر سکیورٹی آفیسر بے حد متاثر نظر آنے لگا۔

”ایکسکوز می سر۔ سکیورٹی کے پیش نظر ہمیں چیکنگ کرنا پڑتی ہے۔ امید ہے آپ مائنڈ نہیں کریں گے۔“ سکیورٹی آفیسر نے

مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ ظاہر ہے وزارت دفاع کی طرف سے آنے والا شخص اہم ہی ہو سکتا تھا۔

”نیورمانڈ آفیسر۔ آپ اپنا کام کریں۔ اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں۔“ — چانگ شی نے خوش دلی سے کہا۔ چنانچہ سکیورٹی آفیسر نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر میگنٹ ڈیکٹر سے نہ صرف چانگ شی کے جسم کو چیک کیا بلکہ اس کی پوری گاڑی کو بھی چیک کیا گیا اور پھر حساس ترین خفیہ ویڈیو کیمروں سے گزار کر اسے آگے جانے کی اجازت دے دی گئی اور چانگ شی نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر کار آگے بڑھا دی۔ چند لمحوں بعد وہ ڈاکٹر طیب کے رہائشی بنگلے کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ یہ بنگلہ دوسرے بنگلوں سے قدرے الگ تھلگ ایک وسیع و عریض سبزہ زار کے عین درمیان میں واقع تھا اور سبزہ زار کے چاروں طرف بلٹ پروف اور بم پروف شیشے کی بلند دیواریں قائم کی گئی تھیں جس میں چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ مگر یہ اس قدر باریک سوراخ تھے کہ ان میں سے بمشکل چیونٹی ہی گزر سکتی تھی۔ موٹی تہہ کے اس خاص قسم کے شیشے کی بلند دیوار کو عبور کرنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ چانگ شی نے اندازہ لگایا کہ پیکانگ کے مضافات میں واقع گرینڈ ڈیزرٹ روڈ پر پیکو۔ون کے خفیہ سیٹلائٹ پراجیکٹ کی عمارت کو بھی ایسے ہی شیشے کی چار دیواری اور چھت سے کور کیا گیا تھا تاکہ وہ ہوائی حملے سے مکمل طور پر محفوظ رہے۔ مگر ڈاکٹر طیب کے رہائشی بنگلے پر اس مخصوص شیشے کی چھت نہیں بنائی

گئی تھی۔ چانگ شی نے سوچا کہ ہو سکتا ہے اس کی کوئی وجہ ہو۔ مین روڈ کی طرف اس شیشے کی دیوار میں شیشے ہی کا ایک بہت بڑا پھانک نما دروازہ تھا جس سے آگے ایک طویل پختہ ٹائلوں کی پگڈنڈی بنگلے کی عمارت تک چلی جاتی تھی۔ اس سڑک کے دونوں سمت خوشنما لان پھیلے ہوئے تھے۔ پھانک کے اندر اور باہر سکیورٹی چیک پوسٹ بنائی گئی تھی جو جدید ترین آلات سے لیس تھی۔ جونہی چانگ شی نے اپنی کار گیٹ کے سامنے روکی تو بیرونی چیک پوسٹ کے اندر سے دو مسلح سکیورٹی آفیسر نکل کر تیزی سے اس کے قریب آ گئے۔

”جی فرمائیے۔“ — ایک سکیورٹی آفیسر نے چانگ شی کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔

”ڈاکٹر طیب سے ملاقات کا وقت طے ہے۔ ڈیفنس منسٹر نے فون پر انہیں اطلاع دے دی تھی۔“ — چانگ شی نے پراعتماد لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ آپ براہ کرم ذرا رکیں۔ ہم معلوم کرتے ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ سکیورٹی آفیسر واپس چیک پوسٹ کے اندر چلا گیا۔ جبکہ دوسرا آفیسر اپنی بھاری اسٹین گن سمیت وہیں موجود رہا۔ چند منٹ بعد پہلا سکیورٹی آفیسر واپس آ گیا۔

”ڈاکٹر طیب نے آپ کو اندر بلوایا ہے۔ براہ کرم آپ اپنی گاڑی سے نیچے آ جائیں اور انٹری کارڈ ہمیں دے دیں۔“ — سکیورٹی آفیسر نے شائستہ لہجے میں کہا۔ چنانچہ چانگ شی کار کا انجن بند کر کے

نیچے اتر آیا اور جیب سے انٹری کارڈ نکال کر سکیورٹی آفیسر کے حوالے کر دیا۔ اس نے انٹری کارڈ کا عقابی نظروں سے جائزہ لیا اور پھر چانگ شی کی طرف متوجہ ہوا۔

”آپ کی گاڑی یہیں کھڑی رہے گی اور آپ کو ایک اسپیشل کار میں بنگلے کی عمارت تک پہنچا دیا جائے گا۔“ سکیورٹی آفیسر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ چانگ شی نے سپاٹ لمبے میں جواب دیا۔ چنانچہ دونوں سکیورٹی آفیسر اسے شیشے کے گیٹ سے گزار کر اندر لے گئے۔ وہاں ایک بغیر چھت کی ٹوسیٹر کار کھڑی تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک چاک و چوبند نوجوان بیٹھا تھا۔

”ویکم مسٹر گورڈن۔ آپ پلیز میرے ساتھ بیٹھ جائیں۔ میں ڈاکٹر طبیب کا پرسنل سیکرٹری حماد ہوں۔“ نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اپنے خدوخال سے وہ پاکیشیائی باشندہ نظر آتا تھا۔ چانگ شی بھی مسکراتا ہوا اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اور وہ ٹوسیٹر آگے بڑھا کر کچھ فاصلے پر واقع بنگلے کی سفید عمارت کے داخلی دروازے تک لے گیا۔ اور پھر اس نے ڈرائیونگ روم تک چانگ شی کی رہنمائی کی جو سادہ مگر انتہائی پر شکوہ انداز میں سجایا گیا تھا۔

”آپ پلیز بیٹھئے۔ میں ڈاکٹر طبیب کو اطلاع دیتا ہوں۔“ اس نے مہذبانہ لمبے میں کہا اور پھر باہر چلا گیا۔ چانگ شی خاموشی سے

گداز صوفے پر بیٹھ کر اپنی ٹیلی پیٹھک اور ہینڈزوم کی پراسرار ماورائی قوتوں کو اپنے دماغ میں بیدار کرنے لگا۔ وہ اسی مقصد کے لئے یہاں آیا تھا تاکہ ڈاکٹر طبیب کے دماغی شعور اور لاشعور کو اپنی پراسرار ماورائی قوتوں کے حصار میں جکڑ کر انہیں اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرانے پر مجبور کر سکے۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر طبیب بھی وہاں آگئے اور مسکراتے ہوئے چانگ شی سے مصافحہ کر کے اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

”مسٹر گورڈن۔ تو آپ یہاں بنگلے کا حفاظتی نظام فول پروف کرنے آئے ہیں۔“ انہوں نے دلکش مسکراہٹ سے کہا۔

”یس سر۔ ڈیفنس منسٹری کی طرف سے مجھے یہی ہدایات دی گئی ہیں۔ دراصل کلیویائی سیکرٹ ایجنسی شیان کی طرف سے ایک خفیہ آپریشن پیکو۔ دن کے خلاف شروع کر دیا گیا ہے۔ کاشین سکیورٹی فورسز کے چیف جنرل ژئی کی اندوہناک موت بھی اسی وجہ سے ہوئی ہے اور بے شمار سکیورٹی آفیسرز اور اہلکار بھی بے گناہ مارے گئے ہیں۔ کلیویا کی طرف سے کسی بھی وقت آپ پر بڑا حملہ کیا جاسکتا ہے لہذا سکیورٹی فول پروف کرنے کی اشد ضرورت ہے۔“ چانگ شی نے گھمبیر لمبے میں انہیں مطلع کرتے ہوئے کہا۔

”ہم مسلمان ہیں مسٹر گورڈن۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے اور وہ آکر رہے گی۔ میں موت سے نہیں ڈرتا لیکن کاشین اور پاکیشیا کی عوام کی فلاح کے لئے سک۔ ون پراجیکٹ کو ہر حال میں پایہ

دے دیں۔“ ڈاکٹر طیب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
 ”تھینک یو۔ یور آپسلیسی۔ اب مجھے اجازت دیجئے۔ آنے سے پہلے میں آپ کو پیشگی اطلاع دے دوں گا۔“ چانگ شی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ وہ جلد از جلد ڈاکٹر طیب کے دماغی شعور اور لاشعور کو اپنی پراسرار ماورائی قوتوں کے حصار میں لینا چاہتا تھا اور اس کے لئے خاموشی کی ضرورت تھی۔ چانگ شی نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ باہر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر یہ عمل شروع کر دے گا۔ کیونکہ ڈاکٹر طیب کے دماغ کو وہ پہلے ہی پڑھ چکا تھا۔

”کافی پیئے بغیر آپ نہیں جا سکتے مسٹر گورڈن۔ تشریف رکھئے۔“ ڈاکٹر طیب نے اصرار کرنے والے انداز میں کہا اور چانگ شی واپس صوفے پر بیٹھ گیا۔ اب وہ زیادہ بہتر طریقے سے اپنا ماورائی عمل کر سکتا تھا۔ اسی لمحے بلر کافی اور دیگر لوازمات کی ٹرالی لے کر اندر داخل ہوا اور اس نے یہ چیزیں میز پر رکھ دیں اور ٹرالی لے کر واپس چلا گیا۔ ڈاکٹر طیب نے کافی چانگ شی کو پیش کی۔ اس نے ایک گھونٹ بھر کر کپ میز پر رکھ دیا اور اپنے عمل میں مصروف ہو گیا۔

ڈاکٹر طیب صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے اور سر کو ذرا سا جھکا کر کافی کے سپ لے رہے تھے۔ چانگ شی نے اپنی تیز نظریں ان کی پیشانی کے عین درمیانی حصے پر گاڑ دیں۔ اس کی نظروں میں ایک خاص قسم کی مقناطیسی قوت تھی۔ ہپناٹزم کے فن میں یہ پراسرار نظر کی طاقت منفی بھی ہوتی ہے اور مثبت بھی۔ لیکن چانگ شی اپنی منفی

تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ بہر حال آپ ایک ماہر سکیورٹی سروسز ٹیکنیشن ہیں۔ آپ اسے کیسے بہتر کرنا چاہتے ہیں۔“ ڈاکٹر طیب نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

”دیکھئے آپ کی پوری عمارت کو بلٹ پروف، بم پروف اور آتش گیر مادوں سے محفوظ رکھنے کے لئے ہر طرف سے کورڈ کیا گیا ہے مگر آپ کی اس رہائش گاہ کا اوپری حصہ یعنی چھت کھلی ہے۔ اور کسی بھی اچانک ہوائی حملے کی صورت میں شدید نقصان ہو سکتا ہے۔“ چانگ شی نے ممکنہ خطرے سے ڈاکٹر طیب کو آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

”ایسا ممکن نہیں ہے مسٹر گورڈن۔ کیونکہ بنگلے کی عمارت بھی بم پروف ہے۔ البتہ آتش گیر مادوں کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا کہ کیا کنسٹرکشن کمپنی والوں نے اسے محفوظ بنایا ہے یا نہیں۔“ ڈاکٹر طیب نے کہا۔

”کنکریٹ کی عمارت کو آتش گیر مادوں سے محفوظ بنانے کا کوئی طریقہ نہیں ہے ڈاکٹر۔ البتہ میں اس کے بیرونی حصے کو ریڈ آکسائیڈ مائع جل کی تہ لگا کر آتشیں مادوں سے محفوظ بنا دوں گا۔ اور آپ اجازت دیں تو میں یہ کام جلد از جلد شروع کرنا چاہتا ہوں۔ تین دن میں یہ کام مکمل ہو جائے گا۔“ چانگ شی نے پراعتماد انداز میں کہا۔

”اوکے۔ آپ اگلے سنڈے سے کام شروع کر سکتے ہیں۔ میں ایک ہفتہ کے لئے پاکیشیا جا رہا ہوں۔ آپ اطمینان سے اپنا کام سرانجام

طاقت استعمال کر رہا تھا۔ نظر کی طاقت سامنے بیٹھے معمول کے دماغ میں سرایت کر کے اس کی سوچ کو اس طرح عامل کی طرف کھینچ لیتی ہے جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے اور وہ مکمل طور پر عامل کی مرضی کے تابع ہوتا چلا جاتا ہے۔ نظر لگ جانا فقط محاورہ ہی نہیں بلکہ نفسیاتی حقیقت بھی ہے۔

چانگ شی اسی نظر لگ جانے کے پینائز اصول پر عمل کر رہا تھا۔ نظر جذبات کی ترسیل کا موثر ترین ذریعہ ہے بشرطیکہ عامل اس فن میں حد درجہ مہارت رکھتا ہو اور چانگ شی تو اپنے علوم میں یکتا تھا۔ محبت کی نظر اور نفرت و حقارت کی نظر کا فرق پلک جھپکنے میں معلوم ہو جاتا ہے۔ نگاہ پھیر لینا، نظریں چرانا، نظروں سے گھائل کرنا، نظروں سے کھینچ لینا، بیک نظر سب کچھ کہہ دینا، نظر سے پیام دینا۔ یہ تمام اصطلاحات پینائزم میں عملی طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ انسان کے نفس میں بدی، شرارت، عداوت، حسد، کینہ، لالچ اور انتقام وغیرہ کے جو منفی جذبات دبے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ ابھر کر نظر کو تلوار کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ نظر کی کاٹ تلوار کی کاٹ سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ نظر بدگولی کی طرح دل و دماغ کے پار ہو جاتی ہے اور نشانہ بننے والا آنا فانا مرغِ بے ل ہو کر تڑپنے لگتا ہے۔ نظر لگنا سائنسی حقیقت کے طور پر قبول نہیں کی جاتی مگر ماورائی علوم میں یہ موت کی طرح اٹل حقیقت ہے اور اس کی نفسیاتی حقیقت بے حد طاقتور ہے۔ پینائٹ کی نظر عین نشانے پر لگ جائے تو سامنے والے کی قوت ارادی مکمل طور پر مضحک اور مفلوج ہو

جاتی ہے اور پھر ٹیلی پتھی کے ذریعے وہ اسے اپنے اشاروں پر چلاتا ہے۔ لاشعور کی ایک دکھائی نہ دینے والی زنجیر اسے اپنے مقام سے ہلنے نہیں دیتی اور وہ تحلیل نفسی کے جال میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔

چانگ شی نے اسی نظر کی طاقت کا عمل کامیابی سے ڈاکٹر طیب پر آزمایا اور وہ پوری شدت سے جذباتی دماغی دباؤ میں گھر کر رہ گئے۔ اگلے مرحلے کے طور پر چانگ شی تھوڑا سا ترچھا ہو کر ڈاکٹر طیب کے دائیں پہلو کی طرف کھسک گیا اور اس نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو انگریزی حرف ”وی“ کی شکل میں موڑ کر اس کا رخ نامحسوس انداز میں ڈاکٹر طیب کی آنکھوں کی طرف کر دیا۔ اگر ڈاکٹر طیب سامنے نہ ہوتے تو وہ ایک دوسرا عمل بردے کارلاتا۔ مگر اس وقت وہ وہی عمل کر رہا تھا جو سو فیصد کامیابی سے ہمکنار ہوتا۔ چند سیکنڈ میں ڈاکٹر طیب بصارت پر زور ڈال کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ چانگ شی نے خیالات کی لہروں کے دوش پر انہیں اپنی آنکھوں کے سروں پر لگاتار دیکھتے رہنے کا حکم دیا اور حیرت انگیز طور پر ڈاکٹر طیب نے وہی کیا جو چانگ شی چاہتا تھا۔ اس نے اگلا حکم دیا کہ دماغ کو خیالات سے بالکل خالی کر دیں اور انہوں نے پینائزم کے حصار میں گرفتار ہوتے ہوئے تمام خیالات کو اپنے دماغ سے جھٹک دیا۔ پھر اس نے ڈاکٹر طیب کو اپنی انگلیوں کی پوروں پر ٹکلی باندھ کر مسلسل دیکھتے رہنے کی ہدایت کی اور انہوں نے میکائی انداز میں ایسا ہی کیا۔ انگلیوں کی پوروں کو تقریباً آدھے منٹ تک ٹکلی باندھ کر دیکھتے رہنے کے بعد ان

کے چہرے پر ایک گہرا تغیر پیدا ہو گیا اور ان کے چہرے پر ایک اچاٹ اچاٹ سی غیر معمولی کیفیت طاری ہوتی چلی گئی۔

ڈاکٹر طیب کی پتلیاں بار بار سکڑنے اور پھیلنے لگیں اور پلکیں خود بخود جھپکنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں ہسٹریائی چمک نمودار ہو رہی تھی۔ یہ علامات ظاہر کر رہی تھیں کہ جس دماغی حالت کے پیدا کرنے کی خواہش چانگ شی کو تھی وہ اس میں کامیاب ہو رہا ہے۔ مزید پیش قدمی کے طور پر اس نے زبانی طور پر ڈاکٹر طیب کو مخاطب کیا۔

”لگتا ہے آپ کی آنکھیں بھاری ہونے لگی ہیں۔ کیا آپ کو میری انگلیاں الگ الگ نظر آ رہی ہیں۔“ چانگ شی نے ان میں زبانی تحریک پیدا کرتے ہوئے کہا تاکہ وہ اپنے عمل کے کارگر ہونے کے اثرات ڈاکٹر طیب کی زبانی معلوم کر سکے۔

”میری پتلیاں پھیل اور سکڑ رہی ہیں۔ میرے اعضاء پر بے حسی طاری ہو رہی ہے اور تمہاری انگلیاں مجھے دھندلی نظر آ رہی ہیں۔“ ڈاکٹر طیب نے سکتے کی سی حالت میں جواب دیا۔

”کوئی بات نہیں۔ ابھی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ گہری نیند سو جائیں گے۔“ چانگ شی نے ہونٹوں پر شیطانی آمیز مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔ پھر اٹھ کر اس نے اپنی انگلیوں سے ڈاکٹر طیب کی پلکیں بند کر دیں اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر انہیں نیم دراز کر دیا۔ پھر اس نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور مخصوص انداز میں دبایا اور پھر واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھا۔ اب ڈاکٹر طیب پر مکمل

طور پر ہپناٹک کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ اور اب اگلا اور آخری مرحلہ باقی تھا۔

چانگ شی اب اپنے ٹیلی پتھی کے عمل کا آغاز کر رہا تھا تاکہ ڈاکٹر طیب کی تمام شعوری اور لاشعوری قوتوں کو وہ اپنی گرفت میں لے کر ان کے ہر عمل کو اپنے تابع کر سکے اور وہ کھپتی کی طرح اس کے اشاروں پر عمل کرنے لگیں۔ چنانچہ اس نے اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے سیدھے ہاتھ کے نتھنے کو بند کر لیا اور بائیں نتھنے سے سات سیکنڈ تک سانس کھینچ کر سیدھا نتھنا چھنگلی سے بند کر لیا اور پندرہ سیکنڈ کے بعد الٹے نتھنے سے سات سیکنڈ تک سانس باہر نکالتا رہا۔ اس طرح اس کا ٹیلی پتھک عمل کا ایک چکر مکمل ہو گیا یعنی سات سیکنڈ سانس لینا، پندرہ سیکنڈ سانس روکنا اور سات سیکنڈ سانس باہر نکالتا۔ اسی طرح پندرہ مرتبہ اس نے اس عمل کو دہرایا۔ یہ عمل اس نے خوابیدہ کیفیت کے ساتھ کیا تھا اور اپنی سوچ کی لہروں کو اس نے کامیابی کے ساتھ ڈاکٹر طیب کے شعور اور لاشعور میں داخل کر دیا تھا۔

سانس کی لہروں کے اخراج اور انہیں ڈاکٹر طیب کے دماغ میں ٹرانسفر کرنے کے بعد وہ گوتم بدھ کی طرح آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا اور اس نے اپنے اعصاب کو مکمل طور پر ڈھیلا اور پرسکون چھوڑ دیا۔ پھر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور یہ تصور کرنے لگا کہ وہ ایک حوض میں بیٹھا ہے اور اس حوض میں پارہ بھرا ہوا ہے۔ وہ خود کو تصور کی آنکھ سے اس حوض میں پارہ کے اندر ڈوبا ہوا محسوس کرنے لگا۔ جب اس تصور

میں گہرائی پیدا ہوگئی تو پہلے پارے کا احساس اس کے اعصاب پر ہوا اور جب یہ احساس گہرا ہو گیا تو دماغ پر پارے کا وزن محسوس ہونے لگا۔ چانگ شی کو اپنے دماغ میں نقرئی لہریں پھلجڑیوں کی طرح پھوٹی ہوئی نظر آنے لگیں۔ جب بند آنکھوں سے اس کا یہ تصور مضبوطی سے قائم ہو گیا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر اس ساری کیفیت کو اس نے نظروں کی طاقتور لہروں کے ذریعے ڈاکٹر طیب کے دماغ میں منتقل کر دیا۔ اب وہ مکمل طور پر چانگ شی کے تابع فرمان ہو چکے تھے اور اب بلا شک و شبہ چانگ شی جو چاہتا ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتا تھا۔

چانگ شی نے اپنا ہپناٹک اور ٹیلی پیتھک عمل مکمل کرنے کے بعد ایک طویل سانس لی اور اطمینان سے نارمل انداز میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر طیب کی خوابیدہ کیفیت آہستہ آہستہ معمول پر آنے لگی اور چند منٹ بعد انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ اب ان کے چہرے پر حیرت و استعجاب کی کیفیت طاری تھی۔

”اوہ۔ لگتا ہے مجھے اونگھ آگئی تھی۔ حیرت ہے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔ میں ہمیشہ اپنی نیند پوری لیتا ہوں۔ پھر یہ۔“ ڈاکٹر طیب کی آواز میں واضح حیرانگی شامل تھی۔

”کوئی بات نہیں یورائیکسلینسی۔ کبھی کبھار ایسا ہو جاتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔“ چانگ شی نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں آگاہ کیا۔ کچھ سوچ کر ڈاکٹر طیب نے نیل بجا کر اپنے پرسنل اسسٹنٹ

حماد کو طلب کیا۔ اگلے ہی لمحے وہ بگولے کی طرح ڈرائیونگ روم میں نمودار ہو گیا۔

”یس سر۔“ اس نے سر کو خم دیتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”گاڑی نکلاؤ۔ ہمیں اسی وقت پکیو۔ ون سپیس پلانٹ جانا ہے۔“ ڈاکٹر طیب نے خشک لہجے میں کہا۔ یہ سنتے ہی چانگ شی بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور واپسی کی اجازت طلب کی۔

”ٹھیک ہے۔ مسٹر گورڈن کو بھی بیرونی گیٹ تک چھوڑ دو۔“ ڈاکٹر طیب نے کہا اور چانگ شی ان کے پی اسے حماد کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اپنے ہوٹل میں اپنے سوئٹ میں داخل ہوتے ہی چانگ شی نے سب سے پہلے ٹرانسمیٹر پر کلیو یا میں اپنے باس ڈریگن سے رابطہ قائم کیا۔ جلد ہی رابطہ قائم ہو گیا۔

”یس ڈریگن انڈنگ۔ اوور۔“ رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے ڈریگن کی پھنکارتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”چانگ شی کانگ یو باس۔ اوور۔“ چانگ شی نے پر جوش انداز میں جواب دیا۔

”یس۔ کیا رپورٹ ہے چانگ شی۔ میں بے چینی سے تمہاری کال کا منتظر تھا۔ اوور۔“ ڈریگن نے سرد لہجے میں کہا۔

”رپورٹ انتہائی مثبت ہے باس۔ ڈاکٹر طیب کو سو فیصد کامیابی کے ساتھ مکمل طور پر اپنے شکنجے میں جکڑ چکا ہوں۔ اور اب وہ میرے ہر حکم

اور اینڈ آل۔“ ڈریگن نے جذباتی پن سے کہا اور پھر ٹرانسمیٹر کا رابطہ ختم کر دیا گیا۔ چانگ شی نے بھی ٹرانسمیٹر بند کر دیا۔

چانگ شی اب اپنے ہوٹل کے سوٹ میں بند ہو کر رہ گیا کیونکہ اب اس کا اگلا قدم ڈاکٹر طیب کی موت تھا۔ چنانچہ اگلے ہی دن اس نے ٹیلی پیٹھی لہروں کے ذریعے ڈاکٹر طیب کے دماغ میں رسائی حاصل کی اور ان سے ٹیلی پیٹھک عمل کے ذریعے باتیں کرنے لگا۔

”ہائے ڈاکٹر طیب۔ میں آپ کا دوست گورڈن ہوں۔ کیا آپ میری آواز سن رہے ہیں۔“ چانگ شی نے ٹیلی پیٹھی کی خاموش زبان میں پوچھا۔

”اوہ میرے دوست گورڈن۔ میں تمہاری آواز کو بخوبی اپنے دماغ میں سن رہا ہوں۔“ ڈاکٹر طیب نے ٹیلی پیٹھی کی واپسی لہروں میں چوکتی آواز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”ویل اینڈ گڈ۔ اچھا یہ بتائیں کہ اس وقت آپ کہاں ہیں۔“ چانگ شی نے پرجوش آواز میں پوچھا۔

”میں اپنے پکیو۔ ون سیس پلانٹ کی ایک لیبارٹری میں ہوں اور اہم فارمولے پر ریسرچ کر رہا ہوں۔ مگر اس کام میں میرا دل نہیں لگ رہا۔ طبیعت گھبراہٹ زدہ ہے۔“ ڈاکٹر طیب نے جوابی لہروں کے ذریعے بتایا۔

”کوئی بات نہیں۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔ جیسا میں کہوں ویسا ہی کریں۔ اس طرح آپ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔“ چانگ

کے تابع فرمان ہے۔ اور۔“ چانگ شی کا لہجہ بدستور جوش سے لبریز تھا۔

”ویل ڈن چانگ شی۔ تم نے یہ کارنامہ سرانجام دے کر ڈریگن کا دل جیت لیا ہے۔ حالانکہ تم جانتے ہو کہ ڈریگن کے دل کی جگہ ایک پتھر نصب ہے۔ مگر تم نے اس پتھر کو بھی پگھلا کر رکھ دیا۔ اب ڈاکٹر طیب کی موت ضروری ہے۔ مگر یاد رکھو۔ اس کی موت بالکل قدرتی نظر آنی چاہیے۔ تاکہ کوئی کسی بھی قسم کا شبہ نہ کر سکے۔ اور۔“ ڈریگن نے سنسناتی آواز میں کہا۔

”آپ بے فکر رہیں باس۔ ایسا ہی ہوگا۔ میرے لئے اگلی ہدایات کیا ہیں۔ اور۔“ چانگ شی نے ٹھوس لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

”فی الحال ڈاکٹر طیب کا کام تمام کرنے کا بندوبست کرو۔ اس کے بعد تمہیں اس کے چیف اسٹنٹ ڈاکٹر ذیشان سے پکیو۔ ون پراجیکٹ کے سپر کمپیوٹر کی ڈسک بلیک آئی حاصل کرنا ہے اور یوں ہمارا آپریشن بلیک آئی آدھا مکمل ہو جائے گا۔ اور۔“ ڈریگن نے اسے ہدایت کی۔

”اوکے باس۔ ایسا ہی ہوگا۔ میں جلد مکمل کامیابی کے ساتھ کلیویا واپس آؤں گا۔ اور۔“ چانگ شی نے پُر یقین اور تمکنت بھرے لہجے میں کہا۔

”اور یہاں تمہارے استقبال کے لئے میں تمہارا منتظر رہوں گا۔“

شی نے انہیں مکمل طور پر اپنے ٹیلی پیتھک حصار کی گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ میں بالکل ویسا ہی کروں گا جیسا تم کہو گے۔ تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئے۔“ ڈاکٹر طیب نے چانگ شی کے زیر اثر انکساری سے کہا۔

”یہ میں بعد میں آپ کو بتاؤں گا۔ فی الحال آپ مجھے بتائیں کہ جس فارمولے پر آپ ریسرچ کر رہے ہیں وہ کس نوعیت کا ہے۔“ چانگ شی نے یہ حساس ترین سوال عام سے انداز میں پوچھا۔

”میں بتاتا ہوں۔ دراصل ہم نے کچھ دن پہلے اپنا پیکو۔ون سیٹلائٹ خلائی مدار میں بھیجا تھا۔ اور اب ہم اس پیکو۔ون سیٹلائٹ پر ایک خاص قسم کے ریشے پہنچانے کا انتظام کر رہے ہیں جنہیں ایس ٹگما کہا جاتا ہے۔ یہ عرق نما ریشے آسمانی بجلی کی شکل میں واپس زمین پر مختلف فصلوں پر گرائے جائیں گے جو فصل کے بیج میں جذب ہو کر اسے بے انتہا توانائی سے بھر دیں گے۔ اور یوں دونوں ممالک یعنی کاشین اور پاکیشیا کا ایگریکلچر سسٹم پوری دنیا میں ایک سو سال ایڈوانس ہو جائے گا۔“ ڈاکٹر طیب نے مختصراً چانگ شی کو مطلع کیا۔

”بہت خوب۔ مگر یہ ایس ٹگما آپ پیکو۔ون پر پہنچائیں گے کیسے۔“ چانگ شی نے حیرت سے پوچھا۔

”اس کے لئے ہم نے ایک خاص راکٹ تیار کیا ہے جسے گرین گلوب کا نام دیا گیا ہے۔ زمین سے چودہ لاکھ میل کے فاصلے پر نظام

شمسی کے سیارے پلوٹو کے قریب موجود خلائی مدار میں پیکو۔ون سیٹلائٹ پر اسی گرین گلوب راکٹ کے ذریعے ایس ٹگما پہنچایا جائے گا۔ یہ ایک پیچیدہ سپیس ٹیکنالوجی ہے اور صرف کوئی خلائی سائنس دان ہی اس کی باریک بینیوں کو سمجھ سکتا ہے۔“ ڈاکٹر طیب نے بتایا۔

”ٹھیک ہے۔ لیکن کیا کوئی ایٹمی وار ہیڈ بھی اس گرین گلوب راکٹ کے ذریعے پیکو۔ون سیٹلائٹ پر پہنچا کر اسے واپس زمین کے کسی حصے پر گرایا جاسکتا ہے۔“ چانگ شی بالآخر اپنا حقیقی مدعا سامنے لے آیا۔

”بالکل۔ یہ تو بہت ہی آسان کام ہے۔ گرین گلوب راکٹ اب تک دنیا کے سب سے جدید ترین راکٹ ہیں۔ یہ ایکریمیا کی خلائی گاڑیوں سے بھی زیادہ سپر سائیک ہیں اور ان کے ذریعے ہر چیز خلاء کے مدار میں بھیجی جاسکتی ہے۔ ایٹمی وار ہیڈز تو معمولی چیز ہیں۔“ ڈاکٹر طیب نے جو شیلے انداز میں بتایا۔ وہ دماغی طور پر پوری طرح چانگ شی کی ٹیلی پیتھک ماورائی قوتوں کے حصار میں گرفتار تھے اور کسی روبروٹ کی طرح اس کی ہر بات کا جواب دیتے چلے جا رہے تھے۔

”میں جانتا چاہتا ہوں کہ اس کا طریقہ کار کیا ہے۔“ چانگ شی نے قدرے بے قراری سے پوچھا۔

”دیکھو۔ اس کا طریقہ کار پیچیدہ ہے۔ اور میرے بتانے سے شاید تمہاری سمجھ میں نہ آ سکے۔ ویسے گرین گلوب راکٹ اور پیکو۔ون کے باہمی رابطے کی مکمل تفصیل اور عملی طریقہ بلیک آئی کمپیوٹر ڈسک میں

محفوظ ہے اور یہ ڈسک میرے چیف اسٹنٹ ڈاکٹر ذیشان کی تحویل میں ہے۔ اس ڈسک میں موجود ڈیٹا کی مدد سے ایک عام کمپیوٹر آپریٹر بھی گرین گلوب راکٹ کے ہر طرح کے استعمال کے طریقہ کو با آسانی سمجھ سکتا ہے۔“ ڈاکٹر طیب نے نہایت سادگی سے ہر راز فاش کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے ڈاکٹر۔ مجھے یہ بلیک آئی ڈسک چاہئے۔ کیا آپ یہ میرے حوالے کر سکتے ہیں۔“ چانگ شی نے سرد لہجے میں پوچھا۔

”میرے لئے شاید یہ ممکن نہ ہو۔ کیونکہ یہ ڈاکٹر ذیشان کی تحویل میں رہتی ہے۔ اور وہ اس شعبے کا چیف ہے۔ پیکو ون کے کوڈ آف کنڈیکٹ کے مطابق کوئی شخص دوسرے کے شعبے میں مداخلت نہیں کر سکتا حتیٰ کہ میں بھی نہیں۔ یہ شعبے کے چیف کی صوابدید پر ہے کہ وہ کیا بہتر سمجھ سکتا ہے۔“ ڈاکٹر طیب نے جواب ارسال کیا۔

”لیکن آپ تو اس پورے پراجیکٹ کے چیف ہیں۔ پھر آپ کے لئے کیا مشکل ہے کہ کسی بھی شعبے کا چیف جو کہ آپ کا ماتحت ہے وہ آپ کی ہدایت پر عمل نہ کرے۔“ چانگ شی نے حیرت کا اظہار کیا۔

”میں ٹیکنیکل انسٹرومنٹس لیبارٹریز کا چیف ہوں۔ اور باقی ڈیپارٹمنٹس کی صرف نگرانی میرے ذمے ہے اور میرے اختیارات میں یہ شامل نہیں کہ میں ان کی ٹیکنیکل سرگرمیوں میں کوئی مداخلت کروں۔“

لہذا میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ ڈاکٹر ذیشان سے بلیک آئی ڈسک حاصل کر سکوں۔ اس کا مکمل اختیار ڈاکٹر ذیشان کے پاس ہی ہے۔“ ڈاکٹر طیب نے بے بسی کے انداز میں چانگ شی کو آگاہ کیا۔

”ٹھیک ہے ڈاکٹر طیب۔ اب آپ میری بات غور سے سنیں۔ اب آپ کچھ نہیں کھائیں گے۔ صرف اپیل جوس استعمال کریں گے۔ اور اس میں کیٹامائن میڈیسن کی ہلکی سی مقدار ضرور شامل کریں۔ صبح دوپہر اور رات آپ کو صرف اور صرف یہی جوس استعمال کرنا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔“ چانگ شی نے تحکمانہ انداز میں ان سے کہا۔

”ایسا ہی کروں گا۔ میں تمہارے ہر حکم پر عمل کروں گا۔“ ڈاکٹر طیب نے مجنونانہ لہجے میں جواب دیا اور چانگ شی نے اوکے کہہ کر اپنا ٹیلی پیٹھک رابطہ منقطع کر دیا۔

ڈاکٹر طیب اپنا کام چھوڑ کر وقت مقررہ سے پہلے ہی پیکو ون سیٹلائٹ پراجیکٹ پلانٹ کی عمارت سے نکل کر اپنے مخصوص سکیورٹی حصار میں اپنے رہائشی بنگلے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کی طبیعت میں عجیب سی بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہو رہی تھی اور یہ اس وجہ سے تھا کہ وہ چانگ شی کے ہینائٹز اور ٹیلی پیٹھک حصار کی زد میں تھے اور اپنی مرضی کے مطابق کچھ سوچنا اب ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ اپنے بنگلے پر پہنچ کر انہوں نے اپنے ایک ملازم کے ذریعے میڈیکل سنٹر سے کیٹامائن میڈیسن منگوا لی۔ یہ انسانی اعصاب کو بے سدھ کرنے والی دوا تھی

اور انسان کو بے ہوش کرنے کے کام آتی تھی۔ ڈاکٹری نسخے کے بغیر اس دوا کی فروخت ممنوع تھی مگر ڈاکٹر طیب کا نسخہ دیکھ کر سٹور والوں نے خاصی مقدار میں دوا دے دی تھی۔ ڈاکٹر طیب نے چانگ شی کی ہدایت کے مطابق اپیل جوس میں کیپٹا مائن شامل کر کے پیا اور اپنے بیڈروم میں جا کر گہرنے نیند سو گئے۔

اب ڈاکٹر طیب کا معمول بن گیا کہ وہ صبح دوپہر شام تینوں وقت جوس میں کیپٹا مائن شامل کر پیتے رہے۔ جس سے ان کی طبیعت بگڑتی چلی جا رہی تھی اور انہوں نے پکیو۔ ون پلانٹ میں جانا بھی چھوڑ دیا تھا اور کاشین حکومت کو انہوں نے اطلاع کی تھی کہ وہ کچھ دن کے لئے پاکیشیا واپس جانا چاہتے ہیں۔ اس دوران انہوں نے پاکیشیا میں اپنی بیٹی زین سے بھی ٹیلی فون پر گفتگو کی اور اسے اپنی طبیعت خراب ہونے کی اطلاع دی۔ اسی دوران چانگ شی نے ان سے ٹیلی پیٹھک رابطہ قائم کیا۔ وہ ابھی اپنے ہونٹل ہی میں تھا۔ ٹیلی پیٹھک لہروں کے ذریعے اس کا رابطہ فوراً ڈاکٹر طیب سے قائم ہو گیا۔

”آپ کی طبیعت کیسی ہے ڈاکٹر طیب۔“ اس نے مہذب انداز میں پوچھا۔

”بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ لگتا ہے جیسے قے آجائے گی۔ دل گھبرا رہا ہے اور بیٹھا جا رہا ہے۔ نہ جانے مجھے کیا ہو رہا ہے۔“ ڈاکٹر طیب کے انداز میں شدید گھبراہٹ اور تشویش شامل تھی۔

”گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے ڈاکٹر۔ جیسا میں نے کہا ہے ویسا

ہی کرتے رہیں۔ اور ہاں میں نے یہ معلوم کرنا تھا کہ گرین گلوب راکٹ کہاں موجود ہے۔ اور اگر میں اسے وہاں سے چرانا چاہوں تو مجھے کیا کرنا ہوگا۔“ چانگ شی نے مطمئن انداز میں کہا۔

”گرین گلوب راکٹ ہمارے پکیو۔ ون پراجیکٹ پلانٹ کی عمارت کے جنوب مشرقی کونے میں ٹرمینل ٹو میں اپنے لائنر پر موجود ہے۔ اور اسے چرا کر لے جانا آسان کام نہیں۔ اس کے لئے گرین گلوب کی پوری ٹیکنالوجی سے واقفیت ضروری ہے۔“ ڈاکٹر طیب نے نہایت سادگی سے ٹیلی پیٹھک لہروں کے دوش پر چانگ شی کو آگاہ کیا۔

”لیکن اس کی ٹیکنالوجی کہاں ہے۔ مجھے مکمل معلومات درکار ہیں۔“ چانگ شی نے قدرے بے چینی سے پوچھا۔

”اس کی ٹیکنالوجی بھی بلیک آئی ڈسک میں محفوظ ہے۔ اگر تم ڈاکٹر ذیشان سے وہ ڈسک کسی طرح حاصل کر لو تو اس ٹیکنالوجی سے آگاہ ہو سکتے ہو۔“ ڈاکٹر طیب نے جواباً بتایا۔ ان کی بات سن کر چانگ شی کے چہرے پر گہری سوچ کی لکیریں نمودار ہو گئیں۔ چند لمحے سوچنے کے بعد وہ ٹیلی پیٹھک لہروں کے ذریعے دوبارہ ڈاکٹر طیب سے مخاطب ہوا۔

”ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر ذیشان سے رابطہ کر کے آپ اسے مطلع کر دیں کہ آپ کا ایک غیر ملکی سائنس دان دوست ویلوٹ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ آپ کے حکم پر وہ ویلوٹ سے ضرور ملے گا۔“ چانگ

شی نے ان سے کہا۔

”ہاں۔ یہ میں ضرور کر سکتا ہوں۔ اور میرے حکم پر وہ ویلوٹ سے لازماً ملاقات کرے گا۔ اب میرے لئے اور کیا حکم ہے۔“ ڈاکٹر طیب نے ایک عام ملازم کی طرح عاجزی و انکساری بھرے انداز میں چانگ شی سے پوچھا۔ ظاہر ہے وہ اس کے ٹیلی پیٹھک اور پینٹک حصار کے زیر اثر تھے اور کٹھ پتلی کی طرح چانگ شی کا ہر حکم ماننے پر مجبور تھے۔

”فی الحال کچھ نہیں۔ لیکن میری اس ہدایت پر آپ نے مسلسل عمل جاری رکھنا ہے۔ کیٹا مائن کی مخصوص مقدار جاری رکھیں۔ دوبارہ جلد رابطہ کروں گا۔“ چانگ شی نے سرسراتے انداز میں کہا اور پھر ٹیلی پیٹھک لہروں کا رابطہ منقطع کر دیا۔

چانگ شی کا اگلا ہدف اب گرین گلوب راکٹ کا حصول تھا۔ مگر بقول ڈاکٹر طیب یہ آسان کام نہیں تھا۔ اس کے لئے ٹھوس منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔ کافی سوچ بچار کے بعد چانگ شی نے فیصلہ کیا کہ اس مقصد کے لئے اسے ڈریگن سے بات کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس نے ٹرانسمیٹر پر ڈریگن سے رابطہ قائم کیا۔

”ڈریگن اسپیکنگ۔ اوور۔“ ٹرانسمیٹر کا رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے ڈریگن کی پھنکارتی ہوئی مخصوص آواز سنائی دی۔

”چانگ شی کالنگ باس۔ اوور۔“ اس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔

”یس چانگ شی۔ میں تمہاری ہی رپورٹ کے انتظار میں تھا۔ کہو کیا صورتحال ہے۔ اوور۔“ ڈریگن نے بھاری آواز میں پوچھا۔

”تمام صورتحال تسلی بخش ہے باس۔ ڈاکٹر طیب مکمل طور پر میرے ٹکنجے میں جکڑا ہوا ہے اور تیزی سے اپنے انجام کی طرف بڑھ رہا ہے۔ لیکن ایک بڑی مشکل آن پڑی ہے اور یہاں شاید میرے ماورائی علوم بھی کام نہ کر سکیں۔ اوور۔“ چانگ شی نے خشک لہجے میں ڈریگن کو آگاہ کیا۔

”حیرت ہے۔ ایسی کون سی مشکل آن پڑی ہے جس کے لئے چانگ شی جیسا غیر معمولی انسان بھی پریشانی اور بے بسی ظاہر کر رہا ہے۔ اوور۔“ ڈریگن نے دوسری طرف سے نہایت حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

”در اصل پکیو۔ ون سیٹلائٹ تک رسائی صرف گرین گلوب راکٹ کے ذریعے ہی ممکن ہے جو ہمارے ایٹمی وار ہیڈ پکیو۔ ون سیٹلائٹ پر پہنچا سکتا ہے۔ اس کے بارے میں کافی معلومات میں نے ڈاکٹر طیب سے حاصل کر لی ہیں۔ پکیو۔ ون سیٹلائٹ خلائی مدار میں نظام شمسی کے سیارے پلوٹو کے قریب موجود ہے۔ پکیو۔ ون اور گرین گلوب راکٹ کی تمام تفصیلات اور انہیں ہینڈل و کنٹرول کرنے کے طریقے بلیک آئی ڈسک میں محفوظ ہیں اور یہ ڈاکٹر طیب کے چیف معاون ڈاکٹر ذیشان کی تحویل میں ہے۔ ڈاکٹر طیب نے مجھے بتایا ہے کہ اس پراجیکٹ کے کوڈ آف کنڈیکٹ کے مطابق وہ خود بھی ڈاکٹر ذیشان سے

بلیک آئی ڈسک حاصل نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اب گرین گلوب راکٹ تک رسائی بھی ناممکن نظر آرہی ہے۔ یہ راکٹ پیکو۔ون سیٹلائٹ پلانٹ کی عمارت کے اندر ہی ٹرمینل ٹو میں اپنے لانچر پر موجود ہے۔ لیکن اسے چرانے کا کوئی طریقہ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ اور۔۔۔“ چانگ شی نے متفکرانہ لہجے میں تمام تفصیل ڈریگن کو بتاتے ہوئے کہا۔

”میں تمہاری مشکل سمجھ گیا ہوں چانگ شی۔ ظاہر ہے تمہاری پراسرار ماورائی قوتیں گرین گلوب راکٹ اور بلیک آئی ڈسک پر تو اثر انداز نہیں ہو سکتیں کہ وہ خود چل کر تمہارے پاس آجائیں۔ لہذا آپ پریشن بلیک آئی کی تکمیل کے لئے میں خود کاشین آرہا ہوں۔ اور۔۔۔“ ڈریگن نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

”یہ بہت ہی اچھا ہوگا باس۔ آپ کی یہاں موجودگی سے آپریشن بلیک آئی یقیناً بہت جلد کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔ میں یہاں پیکاٹنگ فالکن انٹرنیشنل ہوٹل میں سوئٹ نمبر ایک سو سات میں موجود ہوں اور آپ کی آمد کا منتظر ہوں گا۔ اور۔۔۔“ چانگ شی نے مسرت بھری آواز میں اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

”میں بہت جلد وہاں پہنچ جاؤں گا۔ اور اینڈ آل۔۔۔“ ڈریگن نے دوسری طرف سے حتمی لہجے میں جواب دیا اور پھر ٹرانسمیٹر کا رابطہ منقطع کر دیا۔ چانگ شی نے بھی اپنا ٹرانسمیٹر بند کر دیا اور اسے اپنے مخصوص ڈیجیٹل بریف کیس میں لاک کر کے اسے الماری میں رکھ دیا۔ ڈنر کے لئے وہ نیچے ڈانگ ہال میں جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنا

میک اپ بدلا اور سوئٹ کا بیرونی دروازہ مقفل کر کے ڈانگ ہال میں آ گیا۔ وہاں خاصا رش تھا مگر اسے ایک میز خالی مل ہی گئی۔ وہ کرسی کھینچ کر وہاں بیٹھ گیا تو ایک ویٹر پھرتی سے لپک کر اس کی طرف آیا۔ چانگ شی میز سے مینو اٹھا کر اچھتی نظر اس پر ڈال رہا تھا۔

”شوارز ایگل اور سوڈا لے آؤ۔ کھانے کا آرڈر بعد میں۔“ چانگ شی نے بارعب انداز میں کہا اور ویٹر سر ہلاتا ہوا پارٹینڈر کی طرف چلا گیا۔ کچھ ہی دیر میں اس نے شوارز ایگل وہسکی اور سوڈے کی بوتلیں آکس باؤل کے ساتھ سرود کر دیں۔ چانگ شی نے پیگ بنا کر پہلا ہی سب لیا تھا کہ اس کی نظر تین چار میزیں دور کرنل ماؤ پر پڑیں۔ وہ اپنی فیملی کے ہمراہ ڈنر کر رہا تھا۔ چانگ شی اسے وہاں دیکھ کر بری طرح چونکا۔ اس نے فوراً وہاں سے کھسک جانے کا ارادہ کیا اور عین اسی لمحے کرنل ماؤ کی نظر اس پر پڑی اور وہ بری طرح چونک پڑا اور پھر اسی لمحے کرنل ماؤ اٹھ کر تیر کی طرح سیدھا اس کی طرف آیا اور بغیر ایکسکوز کئے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ کرنل ماؤ کی آنکھوں میں شرارے بھرے ہوئے تھے اور وہ عقابی نظروں سے چانگ شی کو گھور رہا تھا۔

”تم بے شک میک اپ سے اپنا روپ بدل چکے ہو مگر کرنل ماؤ کی مقناطیسی نظروں سے بچ نہیں سکتے۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے چانگ شی۔ اور خبردار اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش مت کرنا۔ میرے ہولسٹر میں ریوالور موجود ہے اور مجھے فائر کرنے کے لئے ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت کی ضرورت ہے۔“ کرنل ماؤ نے گرجدار انداز میں اسے

دارنگ دیتے ہوئے کہا۔

”تم مجھے کیوں تنگ کر رہے ہو کرنل۔ آخر میرا جرم کیا ہے۔“

چانگ شی نے تلخ لہجے میں کہا۔

”جرم بھی ضرور بتاؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے جنرل ٹری پر کیا جادو کیا تھا کہ اس نے اپنی اسپیشل فورسز کے بیسیوں کمانڈرز اور آفیسرز کو گولیوں سے بھون کر رکھ دیا تھا۔ اگر اس پر عین وقت پر ایک کر کے ڈھیر نہ کر دیا جاتا تو وہ نہ جانے اور کیا قیامت برپا کرتا۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ تم میک اپ میں کیوں ہو۔ ظاہر ہے ایسا بہروپ تو سیکرٹ ایجنٹ ہی بھرتے ہیں۔“ کرنل ماؤ نے خونخوار نظریں اس کے چہرے پر گاڑتے ہوئے پوچھا۔

”دیکھو کرنل ماؤ۔ میں صرف ایک سیاح ہوں۔ جنرل ٹری نے کیا قیامت برپا کی ہے۔ یہ اس کا ذاتی فعل ہے۔ بھلا وہ میرے کہنے پر ایسا کیوں کرتا۔ اور میں کوئی جادوگر یا فسوں کار نہیں ہوں۔ صرف سیاحت کے لئے کاشین آیا ہوں اور جنرل ٹری کے واقعہ کے بعد میری زندگی کو خطرہ لاحق ہے اس لئے مجھے میک اپ کے ذریعے اپنا روپ اور شکل و صورت تبدیل کرنا پڑی۔ ویسے کل میری فلائٹ ہے۔ اور میں کل یہاں سے واپس چلا جاؤں گا۔“ چانگ شی نے قدرے پرسکون ہوتے ہوئے جواب دیا۔

”بکواس مت کرو۔ جنرل ٹری کے سامنے تم نے جو بیان دیا تھا اسے پولی گراف مشینوں نے جھوٹ کا پلندہ قرار دیا تھا۔ اور میں نے

خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ تم جنرل پر کوئی سحر طاری کر رہے تھے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس پر پورا کاشین حیران و ششدر رہ گیا۔ مجھے یقین ہے کہ تم کلیویائی سیکرٹ ایجنٹ ہو اور کسی پراسرار مشن پر یہاں آئے ہو۔ اب تم خاموشی سے خود کو میرے حوالے کر دو۔ ورنہ میں یہیں تمہیں عبرت ناک موت مار دوں گا۔“ کرنل ماؤ نے غراتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کی بات سن کر چانگ شی کے چہرے پر تذبذب کے آثار دکھائی دینے لگے۔

”سوچ کیا رہے ہو۔ اٹھ کر میرے آگے چلو اور کوئی بھی غلط حرکت تمہاری بھیانک موت ثابت ہوگی۔ یہ بات اپنی شیطانی کھوپڑی میں محفوظ رکھنا۔ چلو اٹھو۔“ کرنل ماؤ نے غراتے ہوئے کہا اور ہولشٹر سے ریوالور نکال کر اس کا رخ چانگ شی کی طرف کر دیا۔ چانگ شی خود کو پرسکون رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”ٹھیک ہے کرنل۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں لیکن میں بے تصور ہوں اور تمہیں مجھے چھوڑنا پڑے گا۔ اگر تم اجازت دو تو میں اٹھنے سے پہلے ایک پیگ لے لوں ورنہ میرے اعصاب ڈھیلے پڑ جائیں گے۔“ چانگ شی نے درخواست کرنے والے انداز میں کہا۔

”ایک پیگ کیا۔ میری طرف سے پوری بوتل چڑھا لو۔ مگر جلدی۔“ کرنل ماؤ نے سرد لہجے میں کہا۔ وہ خود چاہتا تھا کہ چانگ شی زیادہ سے زیادہ پی لے تاکہ اپنے ہوش و حواس میں نہ رہے

اور کوئی گڑبڑ نہ کر سکے۔ اس طرح وہ آسانی سے اسے اپنے قابو میں کر سکتا تھا۔

”شکریہ کرنل۔ میں صرف ایک پیگ لوں گا۔ اور اس کے بعد۔“
چانگ شی نے گلاس اٹھاتے ہوئے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا اور اگلے ہی لمحے اس نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ دہسکی کا پورا پیگ کرنل کے چہرے پر پھینک دیا۔ دہسکی سے کرنل کا چہرہ تر بتر ہو گیا اور آنکھیں جلنے لگیں۔ اس نے بری طرح چیختے ہوئے چانگ شی کو گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ چانگ شی نے شیشے کا میز پوری قوت سے کرنل کے اوپر الٹ دیا۔ شیشے اور چینی کے برتن چھنچھناتے ہوئے کرنل پر ڈھیر ہو گئے اور وہ بھاری میز کے نیچے دب کر رہ گیا۔ چانگ شی نے اسی وقت اٹھ کر بیرونی دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ کرنل کی آنکھیں اگرچہ اندھوں کی طرح ہو چکی تھیں اور وہ دیکھنے کے قابل نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اس نے اندازہ لگا لیا کہ چانگ شی وہاں سے فرار ہو رہا ہے۔

”پکڑو اسے۔ جانے نہ پائے۔ یہ دشمن ہے۔“ — کرنل ماؤ نے چیختے ہوئے کہا اور پورا ہال گویا تھرا اٹھا۔ وہاں بیٹھے لوگ جو پہلے ہی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے وہ مزید خوفزدہ ہو گئے۔ کئی تو اٹھ کر میزوں کے نیچے دب گئے۔ کرنل ماؤ نے جیب سے رومال نکال کر اپنی آنکھوں میں بھری ہوئی دہسکی صاف کرتے ہوئے ایک آنکھ کھولی اور پھر اس نے بھی چانگ شی کے پیچھے چھلانگ لگا دی جو

بیرونی دروازہ کراس کر رہا تھا۔ اسے دروازے سے نکلتے دیکھ کر کرنل نے اندھا دھند اس پر کئی فائر داغ دیئے مگر کوئی گولی چانگ شی کو نہ لگی البتہ شیشے کا دروازہ گولیاں لگنے سے چکنا چور ہو گیا تھا۔ ہال میں سخت سراسیمگی پھیل گئی اور لوگ جانیں بچانے کی غرض سے کونے کھدروں میں چھپنے لگے۔ خود کرنل ماؤ کے بیوی بچے چیختے ہوئے ایک واش روم میں چھپ گئے تھے۔

چانگ شی ہوٹل سے باہر نکل چکا تھا۔ کرنل نے اس کا پیچھا جاری رکھا مگر چانگ شی کی رفتار بہت تیز تھی وہ چھلا وہ بٹا ہوا تھا۔ آنا فانا ہوٹل کے سامنے مین روڈ کراس کر کے وہ دوسری طرف جا نکلا۔ اس طرف ایک وسیع وعریض پارک پھیلا ہوا تھا جہاں گھنے درختوں کی بہتات تھی۔ چانگ شی آندھی و طوفان کی مانند بھاگتا ہوا پارک میں جا گھسا۔ کرنل ماؤ مسلسل اس پر فائر کر رہا تھا مگر ایک بھی گولی اسے نہیں لگی تھی۔ اسی لمحے اندھا دھند بھاگتے ہوئے کرنل ماؤ فٹ پاتھ سے ٹھوکر کھا کر ایک زوردار دھماکے سے منہ کے بل زمین پر جا گرا۔ اس کی ناک پختہ فٹ پاتھ سے ٹکرا کر پچک سی گئی اور ہڈی ٹڑکنے کے ساتھ ہی خون ایلنے لگا۔ کرنل ماؤ بری طرح کراہتا ہوا اٹھا۔ مگر اتنی دیر میں چانگ شی نیم تاریک پارک میں گھنے درختوں کے عقب میں غائب ہو چکا تھا۔ اسی لمحے ایک پولیس دین سائرن بجاتی وہاں نمودار ہوئی اور اس میں سے کئی مسلح پولیس مین کود کر کرنل کی طرف لپکے۔

”اوہ۔ کرٹل ماؤ۔ آپ۔“ انسپکٹر نے کرٹل ماؤ کو پہچانتے ہوئے چوکتی آواز میں کہا۔

”ہاں۔ وہ خبیث بھاگ گیا ہے۔ تم لوگ دیر سے پہنچے ہو۔ لیکن میں اسے چھوڑوں گا نہیں۔“ کرٹل ماؤ نے انتہائی غصے اور نفرت سے کہا۔ اس کی ناک سے مسلسل خون جاری تھا۔

”کون۔ کون تھا وہ۔ کدھر گیا ہے۔“ پولیس انسپکٹر نے الجھن زدہ نظروں سے گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”کوئی فائدہ نہیں۔ وہ خبیث کسی چھلاوے کی طرح غائب ہو چکا ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ اب وہ ہاتھ نہیں آئے گا۔“ کرٹل نے رومال نکال کر ناک پر رکھتے ہوئے نفرت بھری تلخی سے کہا۔ رومال رکھنے سے اس کا خون وقتی طور پر بہنے سے رک گیا تھا مگر آنکھوں میں تیز چھین اب بھی موجود تھی۔

”تم میرے ساتھ آؤ انسپکٹر۔ اس کلیویائی سیکرٹ ایجنٹ کے سوئٹ کی تلاشی لینی ہے۔“ کرٹل ماؤ نے ہوٹل کی طرف واپس مڑتے ہوئے کہا۔ پولیس انسپکٹر اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ کرٹل ماؤ کے ہمراہ ہو لیا۔ ہوٹل پہنچ کر کرٹل ماؤ نے اپنا تعارف کروایا اور ڈپلیکیٹ کی سے انہوں نے چانگ شی کے سوئٹ کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ سوئٹ میں کوئی سامان نہیں تھا۔ الماری سے صرف ایک ڈیجیٹل لاک، والا بریف کیس برآمد ہوا۔ کرٹل ماؤ نے اندازے سے چند نمبر سیٹ کر کے بریف کیس کھولنا چاہا۔ دوسرے ہی لمحے کان پھاڑ دینے

والا ایک ہولناک دھماکہ ہوا اور پورا ہوٹل ہل کر رہ گیا۔ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ کرٹل ماؤ، انسپکٹر اور اس کے ماتحتوں کے جسموں کے ٹکڑے دور تک بکھرتے چلے گئے۔ ہر طرف آگ اور سیاہ کثیف دھواں پھیل گیا تھا۔

عمران اپنے فلیٹ سے نکلا اور گیراج سے کار نکال کر ایئر پورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ رائل بلیو ٹوپس میں خاصا سمارٹ نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں پر انتہائی خوبصورت آرائشی چشمہ تھا اور ایک سیاہ بریف کیس ساتھ والی سیٹ پر موجود تھا۔ وہ کاشمین کے دارالحکومت پیکا نگ روانگی کے لئے ایئر پورٹ جا رہا تھا۔ اس نے سلیمان کو خصوصی ہدایت کر دی تھی کہ بغیر تصدیق کے وہ فلیٹ کا دروازہ ہرگز نہ کھولے اور نہ ہی کسی اجنبی کو اندر آنے دے۔ کیونکہ کلیویائی سیکرٹ ایجنسی شیان اور ڈریگن کے فائٹر پاکیشیا پہنچ چکے تھے اور خاص طور پر پاکیشیا سیکرٹ سروس کے خلاف سرگرم تھے۔ اسی کے نتیجے میں عمران شدید زخمی ہو کر ہسپتال جا پہنچا تھا۔ اور اب اسی مشن پر عمران پیکا نگ جا رہا تھا تاکہ ڈاکٹر طیب کی موت کا سراغ لگایا جاسکے۔ اس کے علاوہ سرسلطان نے اسے یہ بھی بتایا تھا کہ ڈاکٹر طیب کا اسسٹنٹ ڈاکٹر ذیشان بھی پراسرار

انداز میں اپنے فلیٹ پر مردہ پایا گیا ہے اور اس کے کمپیوٹر سے بلیک آئی ڈسک بھی غائب ہے جس میں پکیو۔ون سیٹلائٹ پراجیکٹ کی ٹاپ موسٹ اور انتہائی غیر معمولی معلومات محفوظ تھیں جو دشمن کے ہاتھ لگنے کا مطلب تھا کہ پکیو۔ون سیٹلائٹ پراجیکٹ شدید خطرے سے دوچار ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ عمران پر بھرپور قاتلانہ حملہ بھی ہو چکا تھا۔ عمران پر قاتلانہ حملے میں اس کے گوالے دلاور نے بھی مادام فاشا اور بلائکو کی بھرپور مدد کی تھی اور اسی دھوکے باز دودھ فروش دلاور کے جھانسنے میں آکر عمران مادام فاشا اور بلائکو کا نشانہ بن گیا تھا۔ چنانچہ عمران نے ہسپتال سے کال کر کے رانا ہاؤس میں موجود جوزف اور جونا کو مکار دلاور کی خبر لینے بھیجا تھا مگر دلاور اپنی حویلی میں مردہ پایا گیا۔ اس کی گردن کی ہڈی توڑ کر اسے موت کے حوالے کر دیا گیا تھا اور عمران بخوبی جانتا تھا کہ یہ کام مادام فاشا اور بلائکو یا ان کے دیگر ساتھیوں ہی کا ہو سکتا ہے تاکہ اپنے پیچھے کوئی سراغ نہ چھوڑیں۔ بہر حال عمران اب اپنے مشن پر پیکا نگ روانہ ہو رہا تھا۔

پیپلز روڈ ایک قدرے پرسکون اور سنسان سی شاہراہ تھی جو شہر کی مرکزی روڈ سے سیدھی ایئر پورٹ تک چلی جاتی تھی۔ چونکہ یہ سڑک صرف ایئر پورٹ آمد اور روانگی کے لئے استعمال ہوتی تھی اس لئے مخصوص اوقات کے علاوہ اس پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی۔ سڑک کے دونوں اطراف سبزے اور باغات وغیرہ کے کھلے قطعات تھے اور کہیں کہیں رہائشی بلڈنگیں بھی تھیں۔ عمران نے اپنی کار اس پیپلز

روڈ پر موڑی تو اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور کوئی چیز کھڑکی کے شیشے سے ٹکرائی۔ اگرچہ کھڑکی کا سبز رنگ کا شیشہ ہلٹ پروف تھا مگر اس کے باوجود وہ تڑخ کر رہ گیا۔ یہ کوئی عام گولی کا فائر نہیں تھا بلکہ ایک چھوٹے سائز کا مارٹر گولہ فائر کیا گیا تھا۔ عمران نے بری طرح چونکتے ہوئے ایکسلیٹر پر دباؤ ڈال کر کار کی رفتار بڑھانا چاہی مگر اگلے لمحے ایک اور زوردار دھماکہ ہوا اور بائیں جانب کا اگلا ٹائر پھٹ گیا۔ کار بری طرح لہرائی اور عمران کو فوراً بیک لگانا پڑی ورنہ توازن کھو کر وہ سائیڈ کے فٹ پاتھ پر جا چڑھتی۔ عمران پھرتی سے جھک گیا اور اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے اپنا ریوالور نکال لیا۔

چند ہی لمحے بعد ایک اور دل دہلا دینے والا دھماکہ ہوا۔ مارٹر گولہ پھر کھڑکی سے ٹکرایا اور اس مرتبہ کھڑکی کا ہلٹ پروف شیشہ بھی چکنا چور ہو گیا اور بے شمار کرچیاں عمران کے اوپر آ گئیں۔ کئی کرچیاں عمران کے جسم میں پیوست ہو گئیں مگر موٹے لباس کی وجہ سے وہ قدرے محفوظ رہا۔ البتہ اس کے دائیں ہاتھ سے خون رسنے لگا تھا۔ عمران نے گردن ذرا سی اٹھا کر باہر جھانکا۔ سٹریٹ لائٹ میں اسے کچھ نظر تو نہیں آیا البتہ سامنے درختوں کے عقب میں کچھ سرسراہٹ ہو رہی تھی۔ کار کی تباہ شدہ کھڑکی کے قریب سڑک پر آگ کے مرغولے بلند ہو رہے تھے اور کثیف دھواں کار کے اندر آ رہا تھا جس کی وجہ سے عمران کو سانس لینے میں دقت پیش آنے لگی۔ اسی لمحے درختوں کے درمیان خود رو جھاڑیاں سرکنے لگیں اور ایک سایہ سا وہاں سے نمودار ہوا۔

”خبردار۔ اگر تم نے کوئی حرکت کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھو۔ تم ہماری زد میں ہو اور ایک لمحے میں تمہارے پرچے اڑ جائیں گے۔ خاموشی سے اپنا ریوالور گاڑی سے باہر پھینک دو۔“ سیاہ سائے نے غراتے ہوئے کہا۔

”کون ہو تم۔ سامنے آؤ۔“ عمران کرخت آواز میں بولا۔

”بکومت۔ اپنا ریوالور فوراً باہر پھینکو۔ ورنہ ہم فائر کرنے میں ایک لمحہ بھی نہ لگائیں گے۔“ خود رو جھاڑیوں میں چھپے سائے نے انتہائی کرخت لہجے میں کہا۔ عمران کے چہرے پر سوچ و تفکر کی لکیریں نمودار ہوئیں۔ لیکن پھر سچویشن کی نزاکت کے پیش نظر اس نے اپنا ریوالور تباہ شدہ کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔ اسی لمحے وہ سایہ جھاڑیوں کے اندر سے نکل کر عمران کے قریب آ گیا۔ اس نے اسٹین گن کی ٹال عمران کی گردن سے ٹکا دی۔ اسی لمحے اس کے عقب میں ایک اور سایہ بھی جھاڑیوں سے نمودار ہوا۔ لیکن وہ عمران کے قریب آنے کی بجائے سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر کھڑا رہا۔ اس کے ہاتھوں میں ٹامی گن تھی۔ اسی لمحے اچانک ایک کار تیزی سے فرائے بھرتی آئی اور ان کے سامنے سے گزر گئی مگر وہ رکی نہیں۔ اسی لمحے ٹامی گن والے سائے نے فائر کر کے بلند پول پر نصب لائٹ اڑا دی اور اب وہاں نیم تاریکی تھی۔

عمران نے دیدے نہپنا کر غور سے دیکھا۔ اس کے قریب کھڑا اسٹین گن بردار بلا ٹکو تھا جبکہ فٹ پاتھ پر مادام فاشا ٹامی گن لئے کھڑی

تھی اور انہوں نے ہی خود رو جھاڑیوں کے اندر سے عمران کی کار پر مارٹر گولے پھینکے تھے۔

”گاڑی سے باہر نکلو اور ہاتھ گردن کے پیچھے باندھے رکھو۔ حکم عدولی کی صورت میں تمہارے جسم کو شہد کی مکھیوں کا تھمتہ بنا دوں گا۔“ بلائکو نے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔ چنانچہ عمران خاموشی سے ہاتھ گردن کے پیچھے رکھے کار سے باہر نکل آیا۔ بلائکو نے اس کا چہرہ نہایت درشتگی سے کار کی طرف موڑتے ہوئے ایک ہاتھ سے اسے کور کئے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کا لباس ٹٹولنے لگا لیکن عمران کے پاس اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے۔ اب تیزی سے مادام فاشا کی طرف چلو۔ ہری اپ۔ ایٹ ونس۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“ بلائکو نے نہایت بد مزاجی سے کہا اور خود بھی اشین گن کی نال سے عمران کو مادام فاشا کی طرف دھکیلنے لگا۔ مادام فاشا کے ہونٹوں پر زہر خند طنزیہ مسکراہٹ ریگ رہی تھی اور وہ تیز نظروں سے عمران کو گھور رہی تھی۔

”مادام فاشا ہمیشہ پہلے ہی اٹیک میں دشمن کو نیست و نابود کر دیتی ہے۔ لیکن تم واحد دشمن ہو جو میرے اٹیک کی زد میں آ جانے کے باوجود معجزانہ طور پر محفوظ رہے۔ لیکن تم تو بہت زیادہ ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ پھر اتنی جلدی ٹھیک کیسے ہو گئے۔“ مادام فاشا نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

”تم اپنے مطلب کی بات کرو۔ آخر تم چاہتی کیا ہو۔“ عمران

نے ہونٹ بھینچتے ہوئے تلخی سے کہا۔

”میں تمہیں مارنا نہیں چاہتی۔ بشرطیکہ تم میرے ساتھ چلو۔ یہ میری گارنٹی ہے کہ کم از کم میری موجودگی میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“ مادام فاشا کا لہجہ خاصا ٹھوس اور اعتماد سے بھر پور تھا۔

”تمہارے ساتھ چلوں۔ آخر کیوں۔“ عمران نے کہا۔

”میں تمہیں کوئی جواب نہیں دے سکتی۔ تم میرے ساتھ خاموشی سے چلنے کے لئے تیار ہو تو ٹھیک ہے ورنہ موت۔“ مادام فاشا کا انداز خاصا زہریلا تھا اور اس نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ میں تمہاری مرضی کے مطابق تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن یہ تو بتا دو کہ تم آخر مجھے لے جانا کہاں چاہتی ہو۔“ عمران نے پوچھا۔

”کلیویا۔ تم میرے ساتھ کلیویا جاؤ گے اور وہاں تمہارے دوست تمہیں ویکم کرنے کے لئے موجود ہیں۔ فکر نہ کرو تمہارے ساتھ تمہارے شایان شان سلوک کیا جائے گا علی عمران۔ ہم نے تمہیں دنیا کے سپر ایجنٹ کا رتبہ دیا ہوا ہے۔ اور ہم رتبے کی بہت قدر کرتے ہیں۔“ مادام فاشا نے خفیف سی مسکراہٹ ہونٹوں پر طاری کرتے ہوئے کہا۔ عمران نے کچھ سوچا اور پھر پرسکون انداز میں اثبات میں سر ہلانے لگا۔

”ادھر جھاڑیوں میں درختوں کے جھنڈ کی طرف چلو۔ وہاں ہماری وین موجود ہے۔“ مادام فاشا نے حکم دیا اور عمران اس کی ہدایت

پر ہاتھ گردن کے پیچھے باندھے خاموشی سے اس طرف چل پڑا۔ مادام فاشا اور بلائکو انتہائی چوکس انداز میں اس کے پیچھے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ عمران قد آدم جھاڑیوں میں سے گزرنے لگا تو اچانک الجھ کر اوندھے منہ زمین پر گر گیا۔ اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ نکلی۔ مادام فاشا اور بلائکو اسے گرتا دیکھ کر بری طرح چونکے۔

”واٹ پرا بلم۔ کیا کر رہے ہو تم۔“ — مادام فاشا دھاڑ کر بولی۔
 ”نو پرا بلم۔ میں کچھ نہیں کر رہا۔ جھاڑیوں میں الجھ کر گر گیا ہوں۔
 لگتا ہے میرا ٹخنہ اتر گیا ہے۔“ — عمران نے بدستور کراہتے ہوئے جواب دیا۔

”شٹ۔ اپنی جگہ سے ہلنا مت۔ بلائکو اسے اٹھاؤ۔“ — مادام فاشا نے بلائکو کی طرف مڑ کر کھنگلی سے کہا اور بلائکو عمران پر جھک گیا۔ اسی لمحے عمران نے مٹھی میں بھری ہوئی سرخ مٹی بلائکو کی آنکھوں میں پھینک دی۔ عمران دانستہ طور پر گرا ہی اس لئے تھا کہ زمین سے سرخ مٹی اپنی مٹھی میں بھر سکے اور اب یہ مرچوں جیسی تیز مٹی بلائکو کی آنکھوں میں بھر چکی تھی اور وہ بری طرح پیچنے لگا۔

”یو بلڈی بلڈاگ۔ میں تمہیں ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔“ — بلائکو بری طرح چیخ رہا تھا جبکہ مادام فاشا نے بجلی کی سی تیزی سے ٹامی گن سیدھی کی ہی تھی مگر وہ عمران کی پھرتی کا ساتھ نہ دے سکی۔ ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں عمران کی ٹانگ الٹی سک کی شکل میں مادام فاشا کے پیٹ میں لگی اور وہ چیختی ہوئی کئی قدم پیچھے ایک درخت کے موٹے

تنے سے ٹکرا کر دوہری ہو گئی۔ ٹامی گن اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی تھی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ تھام لیا تھا کیونکہ عمران کی بھرپور الٹی سک نے اس کی آنتوں کو خلط ملط کر کے رکھ دیا تھا۔ دوسری طرف بلائکو کسی پاگل اندھے کی طرح عمران کو تلاش کر رہا تھا مگر عمران اطمینان سے کافی پیچھے ہٹ چکا تھا۔ اور پھر وہ کئی فٹ اوپر اچھل کر ہوا میں تیرتا ہوا بلائکو کی طرف آیا اور اس کا آہنی گھونٹہ کسی وزنی ہتھوڑے کی طرح بلائکو کے منہ پر پڑا۔ بلائکو کا جیڑا کڑکڑا کر رہ گیا اور کئی دانت اپنی جگہ سے ہل گئے۔ وہ ہولناک انداز میں چنگاڑتا ہوا کئی گز پیچھے کمر کے بل جھاڑیوں میں جا پڑا۔ اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔

مادام فاشا خود کو سنبھال کر کھڑی ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ عمران بلائکو کو چت کرتے ہی حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ مادام فاشا کی طرف مڑا تو وہ غصے سے چیختی ہوئی زخمی شیرنی کی طرح عمران پر ٹوٹ پڑی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ عمران کو رگیدتی ہوئی کچل دے گی۔ مگر دیوانگی کی حالت میں اس کی یہ حرکت بیکار گئی۔ عمران نہایت اطمینان سے اس کے راستے سے ہٹ گیا تھا اور وہ لہراتی ہوئی منہ کے بل جھاڑیوں پر جا پڑی اور جھاڑیوں پر گرتے ہی وہ یوں اچھل کر کھڑی ہو گئی جیسے اس کے جسم میں سپرنگ فنٹ ہوں اور پھر وہ توپ سے نکلے گولے کی طرح عمران کی جانب آئی۔ عمران نے تیر کی مانند بالکل سیدھا کھڑا رہتے ہوئے اپنے دونوں پاؤں کے درمیان میں اتنا فاصلہ

رکھ لیا جتنا دونوں کندھوں کے درمیان تھا۔ دائیں ٹانگ کا گھٹنا تیزی سے خم دے کر اوپر اٹھایا اور بائیں ٹانگ پر سیدھی کمر سے پورا زور ڈال کر ایک زنائے وارکک قریب آتی مادام فاشا کی پسلیوں میں ماری اور مادام فاشا اچھل کر کئی فٹ دور جاگری اسے یوں محسوس ہوا جیسے لوہے کا راڈ اس کی پسلیوں سے ٹکرایا ہو۔ اس کی دلخراش چہنیں دور تک گونجتی چلی گئیں۔

بلاٹکو اب قدرے سنبھل چکا تھا اور اپنی خونی نظروں سے عمران کو گھورتا اور آستین سے خون صاف کرتا ہوا وہ عمران پر حملے کے لئے پر تول رہا تھا لیکن یہ وہ عمران نہیں تھا جو بے ہوشی میں ان کے ہاتھوں شدید طور پر زخمی ہو چکا تھا۔ بلاٹکو انتہائی جارحانہ انداز میں عمران کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مادام فاشا کی ٹامی گن عمران کے پاس ہی زمین پر پڑی تھی اور وہ بلاٹکو کے قدرے قریب آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی وہ عمران سے تین چار گز کے فاصلے پر پہنچا تو عمران نے اچانک ٹامی گن کی نالی پر مخصوص انداز میں پاؤں مارا اور ٹامی گن کسی فٹ ہال کی طرح اوپر اچھلی اور عمران نے نہایت مہارت سے اسے اپنے ہاتھوں میں دبوج لیا۔ اگلے لمحے فضا ٹامی گن کی ریٹ میٹ کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ پے در پے کئی گولیاں بلاٹکو کے پیٹ اور سینے کے آر پار ہو گئیں۔ اس کے جسم سے خون کے فوارے پھوٹنے لگے اور وہ ہولناک انداز میں ڈکراتا ہوا زمین بوس ہو گیا اور بری طرح تڑپنے لگا۔

مادام فاشا جو پہلے ہی اپنی ول پاور کھو چکی تھی۔ اس خوفناک منظر

نے اس کے اعصاب مزید ڈھیلے کر دیئے اور اس نے بلاٹکو کو اس کے حال پر چھوڑتے ہوئے ہوا میں قلابازی لگائی اور پھر جمناسٹک کا حیرت انگیز مظاہرہ کرتی ہوئی وہ ہوا میں کئی قلابازیاں لگاتی دور چلی گئی۔ یہ دیکھ کر عمران ٹامی گن سمیت اس کے پیچھے لپکا اور اس نے ہوا میں تیرتی اور قلابازیاں لگاتی مادام فاشا پر فائرنگ شروع کر دی۔ مگر مادام فاشا برق کے کوندے کی طرح ہوا میں اڑتی ہوئی کافی دور نکل چکی تھی۔

عمران اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا مگر خاردار جھاڑیوں کی وجہ سے اس کی رفتار کم تھی۔ اور ٹامی گن بھی گولیوں سے خالی ہو چکی تھی۔ جبکہ مادام فاشا مسلسل اس کی دسترس سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر ایک کچی پگڈنڈی پر ایک آرٹو دین کھڑی تھی۔ مادام فاشا میکا کی انداز میں قلابازیاں بھرتی دین میں جا گھسی۔ اگلے لمحے دین دھول اڑاتی ایک سمت کو دوڑتی چلی گئی۔ عمران اپنی جگہ پر ساکت کھڑا رہ گیا۔ مادام فاشا فرار ہونے میں کامیاب ہو چکی تھی۔

عمران نے برا سا منہ بنایا اور پھر واپس مڑ گیا۔ بلاٹکو گولیوں سے چھلنی ہو چکا تھا اور عمران کو سو فیصد یقین تھا کہ وہ ہلاک ہو گیا ہو گا۔ لیکن جونہی عمران اس جگہ پر واپس پہنچا تو بلاٹکو وہاں سے غائب تھا۔ عمران نے بری طرح حیران ہوتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا اور اسی لمحے عقب سے کوئی اس سے ٹکرایا۔ وہ بلاٹکو تھا اور ایک درخت کے پیچھے سے نمودار ہو کر اس نے عمران پر حملہ کر دیا تھا۔ لیکن عمران نے حیرت انگیز انداز میں اپنا دایاں بازو پیچھے موڑ کر اپنی پشت سے چمٹے ہوئے

بلانکو کی گردن میں حائل کر دیا اور لوہے کے کڑے کی طرح گرفت انتہائی مضبوط کر دی۔ اگلے ہی لمحے عمران نے پوری قوت سے بازو کو مخصوص انداز میں جھٹکا دیا تو بلانکو کی بھینے کی طرح موٹی گردن کڑک کی آواز کے ساتھ ٹوٹ کر ایک طرف ڈھلک گئی۔ وہ بری طرح چیختا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر نکل آئیں تھیں اور منہ پورا کھلا ہوا تھا۔ وہ ہلاک ہو چکا تھا۔ عمران اطمینان سے اپنی کار کی طرف واپس مڑ گیا۔

چانگ شی بھاگتا ہوا ایک دوسری سڑک پر پہنچ گیا۔ کرنل ماؤ کی موت کے بعد اسے پختہ یقین ہو گیا تھا کہ کاشین کے حساس خفیہ ادارے وسیع پیمانے پر اس کی تلاش شروع کر دیں گے۔ اس کے علاوہ ہوٹل میں بریف کیس بم دھماکے سے نہ صرف اس کا سوٹ اڑ گیا تھا بلکہ ہوٹل کے دیگر حصوں کو بھی خاصا نقصان پہنچا تھا اور اب اسپیشل سکیورٹی فورسز اور آرمی نے ہوٹل کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ چانگ شی نے ڈریگن کو اسی ہوٹل کا پتہ بتایا تھا۔ مگر اب وہاں اس کی واپس ناممکن تھی۔ چنانچہ ڈریگن کو بھی اس واقعہ سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ لیکن اس کا ٹرانسمیٹر بھی بریف کیس میں تباہ ہو چکا تھا۔ چانگ شی کو معلوم تھا کہ اس نے پبلک فون بوتھ سے ڈریگن سے رابطے کی کوشش کی تو اسے فوراً ٹریس کر لیا جائے گا۔

اسی تانے بانے میں الجھا ہوا چانگ شی سڑک کے کنارے فٹ

پاتھ پر پیدل چل رہا تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا اور وہ چلتے چلتے ایک نسبتاً سنان اور ویران جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ یہاں سڑک پر اکا دکا ٹریفک گزر رہی تھی۔ چانگ شی ٹریفک کو گزرتے ہوئے بغور دیکھنے لگا۔ اچانک اسے ایک موٹر سائیکل اپنی طرف آتی نظر آئی۔ ایک کھلنڈرا سا نوجوان چلا رہا تھا اور مستی کی حالت میں گنگنا بھی رہا تھا۔ چانگ شی نے فوراً ہاتھ کے اشارے سے اسے رکنے کا کہا۔ موٹر سائیکل اس کے قریب آ کر رک گئی۔ نوجوان نشے میں دکھائی دیتا تھا۔ ”ہائے جنٹلمین۔ تم نے مجھے کیوں روکا۔ کیا چاہتے ہو تم۔“

نوجوان نے ہلکی ہوئی آواز میں کہا۔

”تمہارے پاس موبائل سیلولر فون ہے۔“ چانگ شی نے خفیف سی مسکراہٹ ہونٹوں پر طاری کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”یس۔ آف کورس۔ میں اپنا سیلولر فون ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ہوں کیونکہ میری گرل فرینڈ سوئی کا فون کسی بھی وقت آ جاتا ہے۔ میں اس پر جان چھڑکتا ہوں۔“ نوجوان نے جذباتی پن سے کہا۔

”اچھی بات ہے۔ براہ مہربانی اپنا فون ذرا مجھے دینا۔ ایک ایمرجنسی کال کرنی ہے۔ یہاں قریب کوئی فون بوتھ بھی نہیں ہے۔“ چانگ شی نے سپاٹ لہجے میں اس سے کہا۔

”اوہ نو۔ نو۔ میں اپنا فون کسی کو نہیں دیتا۔ ساری۔ یہاں جگہ جگہ فون بوتھ موجود ہیں۔ تم وہاں سے فون کرو۔“ نوجوان نے چونکتے ہوئے کہا۔ اسی لمحے چانگ شی نے بجلی کی سی تیزی سے اسے

گردن سے دبوچ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی جیب سے سیلولر فون جھپٹ کر نکال لیا۔

”دفع ہو جاؤ یہاں سے اور کان کھول کر سن لو کہ اگر تم نے شور مچانے کی کوشش کی تو میں تمہاری گردن توڑ کر تمہیں جہنم رسید کر دوں گا۔ گٹ آؤٹ۔“ چانگ شی نے کرخت لہجے میں کہا۔

”اوہ۔ یوروڈ کینکسٹرز۔ میں پولیس میں تمہاری کمپلین کروں گا۔“ نوجوان گرج کر بولا۔

”جو مرضی کرنا۔ لیکن فی الحال یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ ورنہ میں ایک فون کی خاطر تمہارا خون بھی کر سکتا ہوں۔“ چانگ شی نے غرا کر کہا اور نوجوان فوراً موٹر سائیکل بھگا کر وہاں سے غائب ہو گیا۔

چانگ شی تیزی سے وہاں سے بھاگ اٹھا۔ ایک دو ذیلی سڑکیں کر اس کر کے وہ ایک دریا کے کنارے پر آ گیا جس کے دونوں سمت ہلکی دودھیا روشنیاں لگی تھیں۔ دریا کے کنارے سبزے کے قطعات اور بیچ لگا کر اسے ایک پرسکون تفریحی اسپاٹ میں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اکا دکا نوجوان جوڑے ان بیچوں پر بیٹھے ایک دوسرے کی قربت اور خوشگوار موسم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ چانگ شی اطمینان سے ایک بیچ پر بیٹھ گیا اور سیلولر فون پر ڈریگن سے رابطہ کرنے لگا۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد اس کا ڈریگن سے رابطہ قائم ہو گیا۔

”یس ڈریگن اسپیکنگ۔“ دوسری طرف سے ڈریگن کی مخصوص پھنکارتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”چانگ شی کانگ یو باس۔ یہاں پیکا نگ میں بہت گڑ بڑ ہو گئی ہے۔ لگتا ہے میں مشکل میں پھنس جاؤں گا۔“ چانگ شی نے تشویش کن لہجے میں جواب دیا۔

”واٹ آر یو سے انگ۔ کیا بات ہے چانگ شی۔ تم اور مشکل میں۔ تمہارے جیسے غیر معمولی انسان کے ساتھ کیا مشکل پیش آ سکتی ہے۔“ ڈریگن نے چونکتی ہوئی آواز میں کہا۔

”یہ مشکل اتفاقیہ طور پر ہو گئی ہے باس۔ میں ڈنر کے لئے اپنے ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں چلا گیا تھا۔ وہاں اسپیشل سکیورٹی فورسز کے چیف کرنل ماؤ سے میرا سامنا ہو گیا۔ اگرچہ میں میک اپ میں تھا لیکن اس نے پھر بھی مجھے پہچان لیا اور وہ مجھے گرفتار کرنے پر تل گیا۔ کرنل ماؤ تو اس ٹکراؤ میں ہلاک ہو گیا ہے مگر میرے ہوٹل کا سوٹ مکمل طور پر تباہ ہو گیا ہے اور میرا بریف کیس سامان سمیت دھماکے سے اڑ گیا ہے۔ اسی لئے اب میں ایک چھینے ہوئے سیلولر فون سے آپ سے رابطہ کر رہا ہوں۔ پیکا نگ میں اب میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ تمام ہوٹلوں میں سکیورٹی ہائی الرٹ کر دی گئی ہے اور ہر ایک پر گہری نظر رکھی جا رہی ہے۔ میں شدید شش و پنج میں مبتلا ہوں کہ اب کہاں جاؤں۔“ چانگ شی کے لہجے میں پریشانی نمایاں تھی۔

”تم ڈائننگ ہال میں گئے ہی کیوں تھے۔ جبکہ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تم ایک ٹاپ سیکرٹ مشن پر ہو۔ تمہیں روم سروس سے ڈنر اپنے سوٹ میں ہی منگوا لینا چاہئے تھا۔ لاپرواہی کی وجہ سے اب تم

مشکل میں پھنسے ہو۔“ ڈریگن نے قدرے ناگواری سے کہا۔
”واقعی مجھ سے غلطی سرزد ہو گئی ہے باس۔ لیکن مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ کرنل ماؤ وہاں آ جائے گا۔ آئندہ میں پوری احتیاط رکھوں گا باس۔“ چانگ شی نے خفت آمیز لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کاشین کے لئے روانہ ہو چکا ہوں اور میں چند گھنٹوں میں آبدوز میں پیکا نگ کے ایک مخصوص ساحل پر پہنچ جاؤں گا۔ تم اب ایسا کرو کہ پیکا نگ سے عیگالائی جانے والی ڈیزرٹ روڈ کے پہلے فرلانگ جہاں سے ایک چھوٹی سڑک دائیں سمت مڑتی ہے جو تقریباً پندرہ کلو میٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے پہاڑی علاقے میں جا پہنچتی ہے۔ اس پہاڑی علاقے کی ایک چوٹی پر زرد رنگ کا ایک مندر نما محل موجود ہے۔ اس کے چاروں طرف محرابیں بنی ہوئی ہیں اور اس کے گنبد میں تمہیں تیز زرد روشنی نظر آئے گی۔ اس زرد محل میں ہمارا ایجنٹ زونگ رہتا ہے۔ وہ چھوٹے قد کا خاصا پھیلا ہوا شخص ہے۔ تم وہاں چلے جاؤ۔ کوڈ سپر ڈریگن ہوگا۔ یہ کوڈ سن کر زونگ تمہیں اپنی حفاظت میں لے لے گا۔ میرے آنے تک تم وہیں رکو گے۔“ ڈریگن نے اسے مطلع کرتے ہوئے کہا۔

”یس باس۔ میں بے چینی سے آپ کا منتظر رہوں گا۔“ چانگ شی نے تشکر آمیز لہجے میں جواب دیا۔

”اور سنو۔ ڈاکٹر طیب پر گہری نظر رکھنا۔ اسے ایک لمحے کے لئے

بھی تمہارے ٹیلی پیتھک اور ہیناٹک حصار سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔
او کے گڈ بائے۔“ دوسری طرف سے ڈریگن نے حتیٰ لچھ میں
کہا اور فون بند کر دیا۔ چانگ شی نے بھی فون بند کر کے دریا میں
اچھال دیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ مڑ کر پارکنگ ایریا کی طرف بڑھنے
لگا جہاں دریا کے کنارے آئے ہوئے جوڑوں کی بے شمار گاڑیاں کھڑی
تھیں۔

چانگ شی نے پارکنگ میں گھوم کر وہاں کھڑی گاڑیوں کا عقابی
نظروں سے جائزہ لیا اور پھر سیاہ رنگ کی ایک ہنڈا اپنے لئے منتخب کر
لی۔ کار کے قریب کھڑے ہو کر اس نے چند لمحے اپنے گرد و پیش کا تیز
نظروں سے جائزہ لیا لیکن پارکنگ ایریا دور و نزدیک بالکل سنسان تھا۔
چنانچہ چانگ شی نے اپنی جیب سے ایک تار نکال کر نہایت اطمینان سے
اسے ڈرائیونگ سائیڈ کے دروازے کے لاک میں ڈال دیا۔ اگلے لمحے
اس نے مخصوص انداز میں ایک جھٹکے سے اسے گھمایا تو کلک کی ہلکی سی
آواز کے ساتھ لاک کھل گیا اور چانگ شی دروازہ کھول کر سانپ کی سی
تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ یہی ماسٹر کی اس نے اگنیشن میں
لگا کر اسی طرح مخصوص انداز میں گھمایا تو کار کا انجن اشارت ہو
گیا۔ چانگ شی کار کو بیک گیئر میں ڈال کر سڑک پر لے آیا اور پھر موڑ
کر اسے سیدھا دوڑتا چلا گیا۔ وہ نہایت تیز رفتاری سے پیکانگ سے
شیدگالائی جانے والی ڈیزرٹ روڈ کی طرف جا رہا تھا۔ یہ سپر ہائی وے
صحرائے گوچی کے درمیان سے گزرتی تھی جہاں پاکیشیا اور کاشمین کا

مشترکہ پکیوون سیٹلائٹ پراجیکٹ کا پلانٹ تھا۔ چانگ شی چند دن پہلے
اسی روڈ پر سفر کر چکا تھا اور پکیو۔ون پلانٹ کے قریب رکنے کی وجہ سے
کرنل ماؤ نے اسے گرفتار کر کے جنرل ڈی کے حوالے کر دیا تھا۔ ان
دونوں کے بارے میں سوچ کر چانگ شی کے ہونٹوں پر عجیب سی
مسکراہٹ ابھر آئی کیونکہ وہ دونوں موت کی گہری نیند سوچکے تھے۔

ڈیزرٹ روڈ کے پہلے فرلانگ پر ایک سڑک دائیں سمت مڑ رہی
تھی۔ چنانچہ چانگ شی نے ڈریگن کی ہدایت کے مطابق اپنی کار اس
سڑک پر ڈال دی۔ پندرہ کلومیٹر کا فاصلہ چند منٹ میں طے ہو گیا اور وہ
ایک پہاڑی علاقے میں پہنچ گیا۔ یہاں ایک راؤنڈ اباؤٹ سے مختلف
سڑکیں مختلف سمتوں کو پھوٹ رہی تھیں۔ چانگ شی کو اپنے سامنے ایک
چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر زرد محل واضح طور پر نظر آ گیا جس کی چھت
پر بنے گنبد میں تیز زرد روشنی پھوٹ رہی تھی۔ یہی چانگ شی کا مطلوبہ
مقام تھا۔ ایک سڑک سیدھی اسی پہاڑی کی چوٹی پر جا رہی تھی۔ چنانچہ
چانگ شی نے اپنی کار اسی سڑک پر موڑ دی اور چند لمحوں بعد وہ زرد محل
کے بیرونی داخلی گیٹ پر پہنچ چکا تھا۔

جونہی چانگ شی نے کار گیٹ کے سامنے روکی تو کئی مسلح سکیورٹی
گارڈ اندر سے نمودار ہوئے اور انہوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے
لیا۔ ایک لمبا تزنگا شخص چانگ شی کی طرف بڑھا۔ وہ سکیورٹی انچارج
تھا۔ وہ تیز نظروں سے چانگ شی کا جائزہ لینے لگا۔

”یہاں کس مقصد سے آئے ہو۔“ اس نے سپاٹ لچھ میں

چانگ شی سے پوچھا۔

”مسٹر زونگ سے ملنے۔ میرا نام چانگ شی ہے۔“ — چانگ شی نے پرسکون انداز میں جواب دیا۔

”ہونہ۔ ٹھیک ہے۔ ایک منٹ ٹھہرو۔“ — سکیورٹی انچارج نے ہنکارہ بھرتے ہوئے کہا۔ پھر وہ اپنی کمر کی بیلٹ سے ایک وائر لیس نکال کر کسی سے بات کرنے لگا۔

”سر۔ ایک شخص آپ سے ملنے آیا ہے۔ چانگ شی نام ہے اس کا۔“ — سکیورٹی انچارج نے وائر لیس منہ کے قریب لے جا کر مودبانہ لہجے میں کہا اور پھر دوسری طرف کی آواز سننے لگا۔

”ہیں سر۔ آپ سے بات کرواتا ہوں۔“ — سکیورٹی انچارج نے پھرتی سے کہا اور وائر لیس چانگ شی کی طرف بڑھا دیا۔

”بات کرو۔“ — سکیورٹی انچارج نے وائر لیس چانگ شی کو دیتے ہوئے کہا اور چانگ شی نے وائر لیس پکڑ کر کان سے لگا لیا۔

”مسٹر زونگ۔ میں چانگ شی ہوں۔ سپر ڈریگن۔“ — چانگ شی نے اطمینان سے کہا۔

”ویکم چانگ شی۔ تم فوراً اندر آؤ۔ وائر لیس سکیورٹی انچارج کو دو۔“ — دوسری طرف سے پر جوش لہجے میں کہا گیا اور چانگ شی نے وائر لیس سکیورٹی انچارج کی طرف بڑھا دیا اور اس نے اسے کان سے لگا لیا۔

”ہیں سر۔ یس سر۔ جو حکم ہو۔“ — اس نے انتہائی مودبانہ

لہجے میں کہا اور پھر وائر لیس بند کر کے اس نے اپنے ماتحتوں کو فوراً گیٹ کھولنے کا حکم دیا۔

”مسٹر چانگ شی۔ آپ اندر تشریف لے جائیے۔ ایکسیلنسی زونگ محل کے پورچ میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ — اس نے سر کو خم کرتے ہوئے کہا اور چانگ شی نے مسکراتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ چھوٹے قد اور انتہائی پھیلے ہوئے جسم کا مالک ایک شخص کاشینی نائٹ گاون میں ملبوس محل کے پورچ میں کھڑا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر گر جھوٹی سے چانگ شی کا استقبال کیا۔

”زونگ۔ ڈریگن کا ادنیٰ خادم۔ آؤ اندر چلیں۔“ — زونگ نے جذباتی انداز میں کہا اور چانگ شی بکار سے نکل کر اس کے ساتھ محل کے اندر چلا گیا۔ محل کی آرائش سے زونگ کے غیر معمولی دولت مند ہونے کا واضح اظہار ہوتا تھا۔ اس نے چانگ شی کو ایک نگذری بیڈ روم میں پہنچا دیا۔

”سروس مین ابھی حاضر ہو جائے گا۔ جس چیز کی طلب ہو وہ سروس مین سے بلا جھجک منگوا لینا۔“ — زونگ نے دلکش مسکراہٹ چہرے پر بکھیرتے ہوئے کہا اور چانگ شی نے اسی انداز میں سر جھکا کر اس کا شکریہ ادا کیا اور زونگ مڑ کر باہر نکل گیا۔ ڈریگن کی آمد تک اب چانگ شی کو سوائے آرام کرنے کے اور کوئی کام نہیں تھا۔ چنانچہ وہ اطمینان سے بیڈ پر لیٹ گیا۔

چانگ شی کو ابھی لیٹے کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ایک ٹیلی پتھک لہر

جھٹکے کے ساتھ اس کے دماغی لاشعور سے نکرائی۔ کوئی اس سے ٹیلی پیتھک رابطہ کر رہا تھا اور وہ ڈاکٹر طیب تھے۔ چانگ شی اس اچانک رابطے پر کچھ حیران ہوا لیکن پھر سوچ کر اس نے جوابی لہروں کے ذریعے ڈاکٹر طیب سے رابطہ کیا۔

”کیا بات ہے ڈاکٹر۔ کیا تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو۔“ چانگ شی نے ٹیلی پیتھک لہروں کے دوش پر ڈاکٹر طیب سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ ”ہاں گورڈن۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ میری طبیعت بہت بگڑ رہی ہے۔ میرا دل تیزی سے ڈوبتا چلا جا رہا ہے۔ لگتا ہے میں مرجاؤں گا۔“ ڈاکٹر طیب کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ جان کنی کی حالت میں ہیں۔

”ایک دن سب کو مر جانا ہے ڈاکٹر۔ آپ اطمینان سے آرام کریں اور موت کے بارے میں نہ سوچیں۔“ چانگ شی نے بے بسی سے کہا۔

”نہیں گورڈن نہیں۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتا۔ وہ پیکو۔ ون پراجیکٹ۔ وہ ہر حال میں مجھے پایہ تکمیل تک لے جانا ہے۔ میں کیا کروں گورڈن۔“ ڈاکٹر طیب کی ٹیلی پیتھک لہریں ان کی انتہا درجے کی نقاہت کو ظاہر کر رہی تھیں۔

”پیکو۔ ون پر مٹی پڑے۔ اپنا خیال رکھیں۔ ورنہ طبیعت اور خراب ہو جائے گی۔“ چانگ شی نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ”نہیں گورڈن۔ تم مجھے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے۔ فار گاڈ

میک۔ میری مدد کرو گورڈن۔ میری مدد کرو۔“ ڈاکٹر طیب کی طرف سے آنے والی ٹیلی پیتھک لہروں پر اب جمود طاری ہوتا چلا جا رہا تھا۔

”مدد۔ ہاں۔ میں آپ کی مدد ضرور کروں گا۔ اور اگر آپ پرسکون موت مرنا چاہتے ہیں تو خاموشی سے لیٹے رہیں اور اپنے دماغ کو خالی کر دیں۔ گڈ بائے فار ایور۔“ چانگ شی نے بے رحمی سے جواب ارسال کیا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ٹیلی پیتھک رابطہ منقطع کر دیا۔ چند ہی لمحے بعد اسے اپنی پراسرار ماورائی قوتوں کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ ڈاکٹر طیب کو شدید ہارٹ ایٹک ہوا اور وہ دنیا چھوڑ گئے ہیں۔ چانگ شی نے اطمینان سے نکلنے کے ساتھ ٹیک لگائی اور سامنے رکھائی وی سیٹ آن کر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد بریکنگ نیوز میں ڈاکٹر طیب کی اچانک موت کی خبر نشر ہونے لگی اور یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پوری دنیا میں پھیل گئی اور اس خبر کے ساتھ ہی چانگ شی کے چہرے پر انجانی خوشی کے آثار پھیلتے چلے گئے۔ اس کے مشن کا ایک حصہ مکمل ہو گیا تھا۔

تقریباً آدھی رات کو ڈریگن وہاں پہنچ کر سیدھا چانگ شی کے کمرے میں آیا۔ زونگ بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ ڈریگن کا مقامی سیکرٹ ایجنٹ تھا اور اسلحے کا بین الاقوامی سمگلر بھی۔ چانگ شی نے سب سے پہلے ڈاکٹر طیب کی موت کی خبر سے ڈریگن کو آگاہ کیا۔

”مجھے معلوم ہو چکا ہے۔ تم نے ایک اہم کامیابی حاصل کر لی

ہے۔ میں اس پر تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ لیکن ابھی ڈاکٹر ذیشان تک رسائی حاصل کرنا باقی ہے۔ کیونکہ بلیک آئی ڈسک اسی کی تحویل میں ہے۔ اور جب تک ہم وہ ڈسک حاصل نہیں کر لیتے اس وقت تک ہمارا مشن ادھورا ہے۔“ ڈریگن نے پر تفکر انداز میں کہا۔

”باس۔ بلیک آئی ڈسک حاصل کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ میں اس کا انتظام کر چکا ہوں۔ میں ڈاکٹر طیب کے ایک قریبی اور گہرے دوست ڈاکٹر ویلوٹ کے روپ میں ڈاکٹر ذیشان سے ملوں گا اور بلیک آئی ڈسک اس سے حاصل کر لوں گا۔ اس کے بعد جو سب سے بڑا مسئلہ ہے وہ گرین گلوب خلائی راکٹ کا حصول ہے جو پیکو۔ ون پراجیکٹ پلانٹ کی عمارت میں موجود ہے اور یہ ہمارے مشن کا سب سے مشکل ترین ناسک ہے جس کے بارے میں آپ کو پہلے ہی آگاہ کر چکا ہوں۔“ چانگ شی نے گہری سنجیدگی سے ڈریگن سے کہا۔

”اس کا بندوبست بھی کر لیا جائے گا۔ پہلے تم بلیک آئی ڈسک حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ تاکہ ہم جلد از جلد پیکو۔ ون پراجیکٹ اور گرین گلوب خلائی راکٹ کی خفیہ معلومات جان سکیں۔“ ڈریگن نے کہا۔

”لیس باس۔ مجھے ڈاکٹر ذیشان سے فون پر بات کر کے ملاقات کا پیشگی وقت حاصل کرنا ہوگا۔ لیکن عام فون سے رابطہ کرنا ٹھیک نہیں۔ ہم فوراً ٹرلیس ہو جائیں گے۔ اس کے لئے ہاٹ لائن کی ضرورت ہے۔“

چانگ شی نے کہا۔

”میرے پاس اس کا انتظام ہے چانگ شی۔ میں تمہیں خفیہ ہاٹ لائن فراہم کر دوں گا۔“ ڈریگن نے کہا اور چانگ شی اطمینان سے سر ہلانے لگا پھر دونوں اس کے کمرے سے نکل گئے۔

اگلے دن ڈریگن نے ایک ہاٹ لائن فون سروس چانگ شی کو فراہم کر دی۔ چنانچہ اس نے ہاٹ لائن پر ڈاکٹر ذیشان سے رابطہ قائم کیا۔

”ڈاکٹر ذیشان انڈنگ۔“ دوسری طرف سے ایک انجانی سی آواز سنائی دی۔

”ڈاکٹر ویلوٹ کالنگ یو۔ میں کل رات اکیمریمیا سے یہاں پہنچا ہوں ڈاکٹر ذیشان اور یہاں آتے ہی مجھے ڈاکٹر طیب کی المناک موت کا علم ہوا۔ میں تو یہ خبر سن کر سنائے میں آ گیا۔ ڈاکٹر طیب میرے عزیز ترین دوست تھے۔“ چانگ شی نے کامیاب اداکاری کرتے ہوئے رندھیائی ہوئی آواز میں کہا۔

”لیس ڈاکٹر ویلوٹ۔ ڈاکٹر طیب کی موت پر پوری دنیا دنگ رہ گئی ہے۔ مگر یہ طبعی موت ہے۔ انہیں اچانک ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔“ دوسری طرف سے ڈاکٹر ذیشان نے بھی صدمہ انگیز لہجے میں جواب دیا۔

”ڈاکٹر طیب نے میرے بارے میں آپ کو بتایا ہو گا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔“ چانگ شی نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

”جی ہاں۔ انہوں نے آپ کے بارے میں بتا دیا تھا۔ انہوں نے

آپ سے ملاقات کی خاص تاکید کی تھی۔“ دوسری طرف سے ڈاکٹر ذیشان نے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

”میں جلد آپ سے ملنا چاہتا ہوں ڈاکٹر ذیشان۔ آپ کے پاس ملاقات کے لئے کوئی خاص وقت ہو تو مجھے بتا دیں۔ ذرہ نوازی ہو گی۔“ چانگ شی نے اپنے لہجے میں مٹھاس بھرتے ہوئے کہا۔

”دیکھئے مسٹر ویلوٹ۔ ابھی ڈاکٹر طیب کی المناک موت کا واقعہ پیش آیا ہے اور مجھ سمیت ہماری پوری ٹیم صدمے سے دوچار ہے۔ حالات سنبھلتے ہی میں آپ کو ملاقات کے لئے بلوا لوں گا۔“ ڈاکٹر ذیشان نے غم میں ڈوبی آواز میں کہا۔

”لیکن مجھے فوری واپس جانا ہے ڈاکٹر ذیشان۔ اس لئے ملاقات جلد ضروری ہے اور پھر میں ڈاکٹر طیب کی موت کے بارے میں بھی ایک اہم ترین انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ اس کے بارے میں کسی سے کوئی ذکر نہ کریں۔“ چانگ شی نے آواز میں پراسراریت پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب۔ کیا انکشاف۔“ ڈاکٹر ذیشان نے چونکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”یہ میں آپ کو ملاقات کے وقت بتاؤں گا۔ لیکن میں یہ بات پھر دہراؤں گا کہ آپ کسی کو اس کے متعلق کچھ نہیں بتائیں گے۔ ورنہ میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکوں گا اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ آپ کو جلد از جلد مجھ سے ملاقات کرنا ہوگی۔ کل شام تک میں اکیمریمیا واپس روانہ

ہو جانا چاہتا ہوں۔“ چانگ شی نے نہایت ٹھوس لہجے میں کہا اور دوسری طرف سے کچھ دیر کے لئے خاموشی چھائی رہی۔ شاید ڈاکٹر ذیشان کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اس کی آواز رسیور پر ابھری۔

”ٹھیک ہے۔ آج رات کسی بھی وقت ڈاکٹر طیب کی ڈیڈ باڈی پاکیشیا روانہ کر دی جائے گی۔ چنانچہ آپ کل صبح مجھ سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ میرے فلیٹ پر۔ کیا آپ کو میرے فلیٹ کا پتہ معلوم ہے۔“ ڈاکٹر ذیشان نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔ ڈاکٹر طیب نے مجھے بتا دیا تھا۔ پکیو۔ ون بلڈنگ کمپلیکس کی دوسری منزل پر۔ فلیٹ نمبر چار۔ میں صبح دس بجے آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔“ چانگ شی نے کہا۔

”جی بہتر۔ میں آپ کا انتظار کروں گا۔“ ڈاکٹر ذیشان نے کہا اور چانگ شی نے تھینکس کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ ڈریگن خاموشی سے اس کی گفتگو سن رہا تھا۔ رابطہ منقطع ہوتے ہی وہ چانگ شی سے مخاطب ہوا۔

”ویل اینڈ گڈ۔ اب تم میری بات غور سے سنو۔ ڈاکٹر ویلوٹ کے روپ میں ڈاکٹر ذیشان سے میں خود ملوں گا اور اس سے بلیک آئی کمپیوٹر ڈسک حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ خود اس کا کام تمام کرنا بھی ضروری ہے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بچے بانسری۔ جبکہ تم باہر پارکنگ میں اپنی گاڑی میں موجود رہو گے اور مشن مکمل ہوتے ہی ہم جلد از جلد وہاں سے نکل جائیں گے۔“ ڈریگن نے چانگ شی کو اپنی

پلاننگ سے آگاہ کرتے ہوئے کہا اور وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔
اگلے دن وہ دونوں ایک لینڈ کروزر میں زونگ کے محل سے نکلے اور
پیکا ٹنگ کی سمت روانہ ہو گئے۔ پیکو۔ ون بلڈنگ کمپلیکس پیکا ٹنگ سٹی
کے سنٹرل میں واقع تھا اور اس کمپلیکس میں صرف پیکو۔ ون سیٹلائٹ
پراجیکٹ کے ٹاپ رینک آفیسرز ہی رہتے تھے اور اس کی حفاظت کے
لئے فول پروف سکیورٹی سسٹم قائم کیا گیا تھا۔ کسی چڑیا کو بھی یہاں مد
مارنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ دونوں کچھ ہی دیر میں اس کمپلیکس کے
قریب پہنچ گئے۔ چانگ شی نے لینڈ کروزر پارکنگ سے باہر ہی سڑک
کے کنارے روک دی تھی تاکہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں وہ ایک
لحہ ضائع کئے بغیر وہاں سے نکل سکیں۔

ڈریگن گاڑی سے نکل کر کمپلیکس کے مرکزی داخلی گیٹ کی طرف
بڑھا۔ گیٹ سے گزر کر وہ کمپلیکس کی لابی میں داخل ہوا تو سائیڈ پر
بنے سکیورٹی کاؤنٹر پر چند سکیورٹی آفیسرز نے اسے روک لیا۔ لابی میں
ہر طرف خفیہ کیمرے نصب تھے اور ایک ایک لمحے کی ویڈیو ٹیپ ہو رہی
تھی۔ ڈریگن نہایت اطمینان سے سکیورٹی کاؤنٹر پر رک گیا۔

”آپ کو کس سے ملنا ہے۔“ کاؤنٹر پر کمپیوٹرز کی قطار کے
عقب میں بیٹھے ایک سکیورٹی آفیسر نے اس سے پوچھا۔

”ڈاکٹر ذیشان سے۔ میں ان کا مہمان ہوں۔ میرا نام ڈاکٹر
ویلوٹ ہے اور میں اکیمریمیا سے آیا ہوں۔“ ڈریگن جو ایک
سفید قام باشندے کے روپ میں تھا پرسکون انداز میں اپنا تعارف

کرواتے ہوئے کہا۔

”پلیز۔ آپ ایک منٹ کے لئے یہاں تشریف رکھئے۔“ سکیورٹی
آفیسر نے کاؤنٹر کے قریب رکھی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے
خوش اخلاقی سے کہا اور پھر وہ سامنے رکھے انٹرکام کا رسیور اٹھا کر کسی
سے رابطہ کرنے لگا۔ چند فقروں کے تبادلے کے بعد اس نے انٹرکام
بند کر دیا اور واپس ڈریگن کی طرف مڑ گیا۔

”آپ تشریف لے جائیں۔ سیکنڈ فلور، فلیٹ نمبر چار۔ ڈاکٹر ذیشان
آپ کے منتظر ہیں۔“ اس مرتبہ سکیورٹی آفیسرز کی خوش اخلاقی
میں مزید اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ ڈریگن شکریہ ادا کر کے لفٹ کی طرف
بڑھ گیا۔ سیکنڈ فلور پر چار نمبر فلیٹ کے بیرونی دروازے کے سامنے رک
کر اس نے کال بیل بجائی۔ چند ہی لمحوں میں دروازہ کھل گیا اور نہایت
گوری رنگت کے مگر ایشیائی نژاد نوجوان نے دروازہ سے باہر جھانکا۔ وہ
ڈاکٹر ذیشان تھا۔

”ہائے ڈاکٹر۔ اگر میں نے ٹھیک پہچانا ہے تو آپ ڈاکٹر ذیشان ہی
ہیں اور میں ہوں ڈاکٹر ویلوٹ فرام اکیمریمیا۔“ ڈریگن نے خفیف
سی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

”ویلم ڈاکٹر ویلوٹ۔ اندر تشریف لے آئیے۔“ ڈاکٹر ذیشان
نے خوش اخلاقی سے اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے آگے بڑھا دیا اور پھر وہ
ڈریگن کو فلیٹ کے اندر لے گیا۔ نشست گاہ میں ڈریگن کو صوفے پر بٹھا
کر وہ کچن سے بلیک کافی تیار کر لایا۔

”سنا ہے آپ پیکو۔ ون پراجیکٹ کو کنٹرول کرنے والے سپر کمپیوٹر کو یہاں اپنے فلیٹ سے بھی کنٹرول کر لیتے ہیں۔“ — ڈریگن نے کافی کی چمکی لیتے ہوئے متانت بھرے انداز میں کہا۔

”جی ہاں۔ سپر کمپیوٹر تو دراصل پیکو۔ ون پلانٹ کی کمپیوٹر لیب میں ہی موجود ہے مگر ایک خاص ٹیکنالوجی سے اسے یہاں سے کنٹرول کر لیا جاتا ہے اور ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ ہم پیکو۔ ون پراجیکٹ کی تیزی سے تکمیل کے لئے دن رات مصروف ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر طیب کی موت کی وجہ سے اب یہ پراجیکٹ التوا کا شکار ہو جائے گا۔“ — ڈاکٹر ذیشان نے قدرے مایوسانہ انداز میں بتایا۔

”ایسا ہونا تو نہیں چاہئے۔ کوئی دوسرا ڈاکٹر طیب کی جگہ لے سکتا ہے۔ کام تو ہر حال میں جاری رہنا چاہئے۔“ — ڈریگن نے گردو پیش کا عقابی نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ یہ بلڈنگ کمپلیکس ٹاپ کلاس سیورٹی سسٹم سے مزین تھا اور فلیٹ بھی سپر ڈینکس لگژری تھے اور یہاں صرف ٹاپ موسٹ شخصیات ہی رہائش پذیر تھیں۔

”ڈاکٹر ذیشان۔ میں نے سنا ہے کہ ڈاکٹر طیب کی جگہ آپ کو پراجیکٹ کا ڈائریکٹر مقرر کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے۔“ — ڈریگن نے پوچھا کیونکہ وہ ڈاکٹر ذیشان کے بارے میں کافی معلومات حاصل کر چکا تھا۔

”معلوم نہیں۔ کیونکہ ابھی تک تو کسی نے مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔“ — ڈاکٹر ذیشان نے دانستہ

اس بات پر پردہ ڈالتے ہوئے بے نیازی سے کہا کیونکہ ایسا کرنا پراجیکٹ کے کوڈ آف کنڈکٹ کے متافی تھا اور وہ حیران تھا کہ اس کو یہ بات کس نے بتائی ہے۔

”میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔ دراصل ڈاکٹر طیب سے میرے قریبی تعلقات تھے اور اس پراجیکٹ کے بارے میں ہی کچھ معاونت حاصل کرنے کے لئے انہوں نے مجھے یہاں بلوایا تھا۔“ — ڈریگن نے تیکھی نظروں سے ڈاکٹر ذیشان کو دیکھتے ہوئے کہا جس کے چہرے پر تردد کے آثار نظر آرہے تھے۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔ چنانچہ ڈریگن نے اپنی بات کو آگے بڑھایا۔

”ڈاکٹر ذیشان۔ آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ کلیویائی سیکرٹ ایجنسی شیان اس پراجیکٹ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی ہے اور بقول ڈاکٹر طیب کے وہ ہر حال میں بلیک آئی ڈسک حاصل کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر طیب چاہتے تھے کہ اس پورے ڈیٹا کو کسی اور طریقے سے مزید محفوظ بنا دیا جائے تاکہ اگر یہ کلیویائی سیکرٹ ایجنسی کے ہاتھ لگ بھی جائے تو وہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکیں۔ ڈاکٹر طیب نے اسی مقصد کے لئے مجھے یہاں بلوایا تھا۔“ — ڈریگن نے ڈاکٹر ذیشان کو براہ راست لائن پر لاتے ہوئے سپاٹ الجھے میں کہا۔

”اچھا۔ حیرت ہے مگر ڈاکٹر طیب نے کبھی اس پر مجھ سے بات نہیں کی۔ حالانکہ یہ ڈیپارٹمنٹ میرے انڈر کام کرتا ہے۔“ — ڈاکٹر ذیشان نے اپنی حیرت کا ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”وہ آپ کو بتانا چاہتے تھے۔ مگر میرے یہاں آنے کے بعد۔ لیکن اس کا انہیں موقع ہی نہ مل سکا اور یہی بات میں آپ کو بتانا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر طیب کی موت بظاہر طبعی نظر آتی ہے۔ لیکن اس میں کلیویا کی سیکرٹ ایجنسی شیان ملوث ہے جس کے ٹھوس ثبوت اکیمریمیا سی آئی اے کے پاس موجود ہیں۔ وقت آنے پر یہ ثبوت میں آپ کو فراہم کر دوں گا۔ لیکن فی الحال آپ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں ورنہ شیان الرٹ ہو جائے گی۔“ ڈریگن نے اسے ہدایت کی اور ڈاکٹر ذیشان سر ہلانے لگا۔

”در اصل اکیمریمیا بھی نہیں چاہتا کہ بلیک آئی ڈسک کلیویا والوں کے ہاتھ لگے کیونکہ وہ پیکو۔ون پراجیکٹ کو منفی مقاصد کے لئے استعمال کر کے پوری دنیا پر اور خصوصاً اکیمریمیا کاشین اور کاچان پر ایٹمی حملے کرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے انہوں نے ہزاروں اٹامک بم بھی تیار کر لئے ہیں۔ ان کا ایٹمی سائنس دان ڈاکٹر بوزو انتہائی جدید ساخت کے ایٹم بم یوں تیار کر رہا ہے جیسے پولٹری فارم میں مرغیاں انڈے دے رہی ہوں اور دنیا کو اس قیامت خیز تباہی سے روکنے کے لئے کلیویا کے خلاف بھرپور کارروائی کرنا ہوگی۔“ ڈریگن نے ڈاکٹر ذیشان کو اپنے جال میں پھنساتے ہوئے کہا۔

”آپ کی باتیں درست ہیں۔ کاشین کی خفیہ ایجنسیوں نے یہ سراغ بھی لگایا ہے کہ شیان کی مدد کے لئے ڈریگن نامی ایک عفریت کی خدمات بھی حاصل کی گئی ہیں۔“ ڈاکٹر ذیشان کے لہجے میں

تشویش شامل تھی۔

”سو فیصد درست۔ اسی لئے بلیک آئی ڈسک کو مزید محفوظ بنانے کی ضرورت ہے اور اس سلسلے میں میں آپ کی بھرپور مدد کر سکتا ہوں بشرطیکہ آپ بلیک آئی ڈسک مجھے دکھا دیں۔“ ڈریگن نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”بلیک آئی ڈسک۔ مگر ہائی کمان کی طرف سے باقاعدہ اجازت کے بغیر میں آپ کو وہ ڈسک نہیں دکھا سکتا۔ یہ پیکو۔ون پراجیکٹ کے کوڈ آف کنڈکٹ کے قطعی خلاف ہے۔“ ڈاکٹر ذیشان نے نہایت سرد لہجے میں جواب دیا اور اس کی بات سنتے ہی ڈریگن بھڑک اٹھا۔

”سٹ اپ۔ بھاڑ میں جائے تمہارا کوڈ آف کنڈکٹ۔ مجھے بلیک آئی ڈسک ہر حال میں چاہئے۔ اور کان کھول کر سن لو۔ وہ ڈریگن میں ہی ہوں جس کا نام سن کر دشمن پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے۔ اب خاموشی سے بلیک آئی میرے حوالے کر دو۔ ہری اپ ایٹ ونس۔“ ڈریگن نے یک لخت پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا اور ڈاکٹر ذیشان پر خوف و ہراس کی گہری پرچھائیں یوں لہرانے لگیں جیسے موت کے سائے نے اچانک اسے اپنے حصار میں لے لیا ہو۔

”میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا اور کوئی غلط حرکت تمہیں زندگی سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دے گی۔ فوراً میرے حکم پر عمل کرو۔ بتاؤ وہ ڈسک کہاں ہے۔“ ڈریگن بری طرح پھنکارتا ہوا بولا۔

اور پھر اگلے لمحے اس نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر ذیشان کی گردن دبوچ لی اور اپنے دائیں ہاتھ کا انگوٹھا کچھ اس مخصوص انداز میں ڈاکٹر ذیشان کے نرخرے پر رکھ کر پوری قوت سے دبایا کہ اس کی آنکھیں حلقوں سے باہر ابل پڑیں اور زبان بھی شدید تکلیف دہ حالت میں منہ سے باہر پلپانے لگی۔

”تمہارے پاس صرف دو منٹ ہیں۔ اس دوران اگر تم نے زبان نہ کھولی تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاؤ گے۔“ ڈریگن دھاڑا۔
 ”وہ۔ وہ۔“ ڈاکٹر ذیشان نے کچھ کہنا چاہا مگر آواز اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ ڈریگن نے اس کے نرخرے پر انگوٹھے کا دباؤ کم کر دیا تو وہ بولنے کے قابل ہوا۔

”وہ ڈسک۔ میرے اسٹڈی روم میں۔ سی ڈی پلیئر کے اندر موجود ہے۔“ اس نے اپنا سانس بحال کرتے ہوئے رک رک کر بتایا۔
 ”ہونہ۔ ٹھیک ہے۔ اب تم آرام کرو۔“ ڈریگن نے سنسناتی آواز میں کہا اور اگلے لمحے اس نے ڈاکٹر ذیشان کی باجھوں میں انگلیاں گھسیڑ کر اس کا منہ پوری طرح کھول دیا اور پھر اپنا منہ اس کے ساتھ چپکا کر زوردار پھونک مارنے والے انداز میں کافی مقدار میں ہوا اپنے پیٹ سے خارج کر کے اس کے پیچھے دونوں میں بھر دی۔ تھی تو ہوا ہی مگر اس کا اثر کسی زہریلی گیس کی طرح تھا۔ ڈاکٹر ذیشان نے ایک دو ہچکیاں لیں اور پھر اس کی گردن ایک سمت کو لڑھک گئی۔ ڈریگن نے اطمینان سے اسے بینڈ روم میں لے با کر بستر پر لٹا دیا اور پھر مڑ کر

اسٹڈی روم میں گھس گیا۔ سامنے میز پر ایک بڑا کمپیوٹر رکھا تھا۔ ڈریگن نے ایک بٹن پیش کیا تو سی ڈی پلیئر کی بے آواز پلیٹ باہر آ گئی۔ اس پر ایک ڈسک موجود تھی اور یہ وہی بلیک آئی ڈسک تھی۔ دنیا کی حیرت انگیز ترین ڈسک۔

ڈریگن نے اسے ایک کور میں رکھ کر کوٹ کی اندرونی جیب میں محفوظ کر لیا اور پھر اطمینان سے ڈاکٹر ذیشان کے فلیٹ سے باہر نکل آیا۔ جاتے وقت سیوری والوں نے اسے نہیں روکا تھا۔ چانگ شی لینڈ کرورز میں اپنی محفوظ جگہ پر کھڑا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر ڈریگن ساتھ والی سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا اور اگلے ہی لمحے لینڈ کرورز پوری تیزی سے سڑک پر فراٹے بھرتی ہوئی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

سویر فیاض پیکاگ میں موجود تھا۔ وہ ڈاکٹر طیب کی پراسرار موت کی تحقیقات کرنے وہاں آیا تھا اور اس بات پر پھولا نہیں سارہا تھا کہ سر رحمان نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس اہم ترین مشن پر اسے بھیجا تھا۔ کاشمین سیکرٹ سروس کے چیف موشو نے اسے ایک سرکاری گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا ہوا تھا اور وہ تحقیقات کرنے کے بجائے اپنی من مستیوں میں مگن ہو گیا تھا۔ گیسٹ ہاؤس کی نگران مس ٹونکل سے دوستی گانٹھنے میں اس نے ایک لمحہ بھی دیر نہیں کی تھی۔ منحنی قد، گوری رنگت، گول مٹول چہرے اور بھر بھرے جسم والی اس کاشمینی دوشیزہ نے خود بھی سپر ٹینڈنٹ فیاض سے دوستی گانٹھنے میں کوئی قباحت محسوس نہ کی۔ اب وہ گیسٹ ہاؤس کا خیال کم اور فیاض کا خیال زیادہ رکھ رہی تھی۔ فیاض نے آتے ہی نہایت دھوم دھڑکے سے کاشمینی حساس اداروں اور پکیو۔ون پراجیکٹ کے اعلیٰ عہدوں پر فائز افسران سے

یوں بات چیت کی جیسے وہ پاکیشیا انٹیلی جنس کا چیف ہو۔ مگر جلد ہی اس کا دم خم نکل گیا جب کچھ بھی اس کے پلے نہ پڑا اور فائلوں کا ایک پلندہ سمیٹ کر وہ گیسٹ ہاؤس میں موج مستی کرنے لگا۔ خاص طور پر مس ٹونکل کی معیت میں اس کا وقت شاندار طریقے سے گزر رہا تھا۔

مس ٹونکل اس کے لئے انواع و اقسام کے پکوان سرکاری خرچ پر تیار کر رہی تھی اور فیاض کو اس مقولے پر عمل کرنے کا بھرپور موقع ہاتھ لگا ہوا تھا کہ فکر نہ فائدہ۔ عیش کر کا کا۔ اور وہ واقعی عیش کر رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ مس ٹونکل کے ساتھ کہیں باہر جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ خوب اچھی طرح نہا دھو کر اور پورے جسم پر اعلیٰ خوشبودار کریم لگا کر وہ ہاتھ روم سے نکلا۔ اس نے الماری سے کریم کلر کا ٹو پیس سوٹ نکال کر پہنا اور پھر بال وغیرہ درست کرنے کے بعد اس نے پرفیوم کی شیشی اٹھائی اور اس وقت تک اسے اپنے لباس پر چھڑکتا رہا جب تک وہ خالی نہ ہو گئی۔ لباس کے علاوہ اس نے اپنے جوتوں کے اندر بھی پرفیوم کا سپرے کیا۔ خوب اچھی طرح بن ٹھن کر وہ شیشے پر الوداعی نظریں ڈالتا ہوا اپنے کمرے سے نکلا اور دروازہ لاک کر کے خوشبو کے بھسکے چھوڑتا ہوا مس ٹونکل کے آفس میں آ گیا۔ مس ٹونکل آفس میں تھی۔ فیاض پر نظر پڑتے ہی وہ ایک دلفریب مسکراہٹ چہرے پر سجائے اپنی جگہ سے اٹھی اور دوڑ کر فیاض سے لپٹ گئی۔

”اوہ ڈیر۔ آج تو آپ بہت سمارٹ لگ رہے ہیں۔“ — مس ٹونکل نے کہا اور پھر اس کے ساتھ چلتی ہوئی قریبی صوفے پر بیٹھ گئی۔

فیاض نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ اچانک اس کے واچ ٹرانسمیٹر کا سنگل تیز آواز سے گونجنے لگا۔ اس نے چونک کر اپنی واچ کو گھورا اور پھر ونڈ بٹن کھینچ کر اسے منہ کے قریب کر لیا۔

”یس۔ سپرنٹنڈنٹ فیاض انڈیکس۔ اور۔“ اس نے خاصی بارعب آواز میں کہا۔

”رحمان کالنگ یو۔ فیاض تم کہاں ہو اور کیا کرتے پھر رہے ہو۔ میں نے چند گھنٹے قبل بھی تم سے ٹرانسمیٹر پر رابطے کی کوشش کی تھی مگر تم نے کال انڈیکس نہیں کی۔ رپورٹ دو کیوں۔ اور۔“ دوسری طرف سے سر رحمان کی دھاڑتی ہوئی آواز سنائی دی اور فیاض کے پیٹ میں بھری ہوئی رعب و دبدبے کی ساری ہوائ نکل گئی۔

”سر۔ وہ۔ میں۔ سر۔ انوشی گیشن کر رہا ہوں سر۔ ڈاکٹر طیب کی پراسرار موت کا راز جاننے کی کوشش کر رہا ہوں سر۔ میں اپنی پوری کوشش کر رہا ہوں سر۔ اور۔“ فیاض نے بری طرح گڑبڑاتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا خاک کوشش کر رہے ہو تم۔ اب تک کیا کیا ہے تم نے۔ میں نے تمہاری صلاحیتیں نکھارنے کے لئے اس اہم اور حساس ترین مشن پر تمہیں روانہ کیا تھا مگر لگتا ہے تم اب بھی ریور بنا ز پرو ہو۔ اور تمہیں پتہ ہے وہاں کاشین میں کیا ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر طیب کے بعد اب ان کے چیف اسسٹنٹ ڈاکٹر ذیشان کی نبی موت واقع ہو چکی ہے اور اس کے سوپر کمپیوٹر سے بلیک آئی ڈسک بھی غائب ہے۔ اب بتاؤ تم وہاں کیا

جھک مار رہے ہو۔ اور۔“ سر رحمان نے بری طرح گرجتے ہوئے کہا۔

”اوہ۔ لیکن یہ موشو کا قصور ہے سر۔ انہیں چاہئے تھا کہ اس واقعہ سے مجھے آگاہ کرتے۔ میں ابھی فون پر ان سے بات کر کے باز پرس کرتا ہوں۔ اور۔“ فیاض نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے کہا۔

”سٹ اپ یو ایڈیٹ۔ ٹانسنس۔ موشو کوئی عام آدمی نہیں۔ کاشین سیکرٹ سروس کے چیف ہیں۔ تم ان سے کیا باز پرس کرو گے اور وہ تمہیں کیوں کچھ بتائیں گے۔ یہ تمہارا پنا کام ہے کہ تمام تحقیق اپنے بل بوتے پر کرو۔ لیکن مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ اس نازک صورت حال میں بھی تم نے وہاں چھوڑے اڑانے شروع کر دیئے ہیں۔ لہذا اب تم پہلی فلائٹ سے واپس آ جاؤ۔ اور ہاں محکمانہ کارروائی کے لئے تیار رہنا۔ اور۔“ سر رحمان کی آواز میں شدید غصہ تھا۔

”سر۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں ایک ذمہ دار انٹیلی جنس آفیسر ہوں۔ براہ کرم آپ صرف ایک دن مجھے اور دیں۔ میں آپ کو کل رات تک پوری رپورٹ دے دوں گا سر۔ پلیز سر۔ صرف ایک دن اور سر۔ اور۔“ فیاض نے گھگھکیائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اونٹی ون چانس۔ اپنی خرمستیاں چھوڑو اور کام پر توجہ دو۔ اور ہاں۔ میں نے سنا ہے پاکیشیا سیکرٹ سروس بھی اس کیس میں اپنی ٹانگیں پھنسا رہی ہے۔ اس کی طرف سے کوئی اطلاع ہے تمہارے

پاس۔ اور۔“ سر رحمان نے اس مرتبہ قدرے تشویش زدہ انداز میں فیاض سے پوچھا۔

”سر۔ ابھی تک تو یہاں کوئی نظر نہیں آیا لیکن آپ فکر نہ کریں۔ میں فوراً ان کا سراغ لگا لوں گا۔ نہ جانے کیوں یہ سیکرٹ سروس والے ہر معاملے میں دم ہلاتے ہوئے آن ٹپکتے ہیں۔ اور۔“ فیاض نے تلخ لہجے میں کہا۔

”بکواس مت کرو۔ اور صرف اور صرف اپنا کام کرو۔ آر یو انڈر سٹینڈ۔“ سر رحمان نے اسے بری طرح ڈانٹتے ہوئے کہا اور پھر اور اینڈ آل کہہ کر ٹرانسمیٹر کا رابطہ منقطع کر دیا۔ فیاض کا موڈ بری طرح بگڑ گیا تھا اور مس ٹونکل کے سامنے سر رحمان کی ڈانٹ سن کر وہ غصے میں تپنے لگا تھا اور منہ ہی منہ میں نہ جانے کیا بڑبڑانے لگا۔

”کیا بات ہے ڈیر۔ تمہارا موڈ اچانک خراب ہو گیا ہے۔“ مس ٹونکل نے مترنم لہجے میں کہا۔

”کچھ نہیں۔ میرے لباس کی کال تھی۔ خواہ مخواہ چڑھائی کر رہا تھا۔ اپنا لوئر لفنگا مینا سنبھالا نہیں گیا اور اب دوسروں پر غصہ جھاڑتا رہتا ہے۔“ فیاض نے ہونٹ کاٹتے ہوئے نہایت تلخی سے کہا۔ اس کا اشارہ عمران کی طرف تھا۔

”چھوڑو ہنی۔ غصہ تھوک دو۔ چلو آج ہم ڈریم فال پر چلتے ہیں۔ اُف۔ بدھا کی قسم۔ اس آبخار کو دیکھو گے تو تمہارے ہوش اڑ جائیں گے۔ ایسی جنت نظیر جگہ ہے۔“ مس ٹونکل نے اپنے مرمریں

بازوؤں کا حصار اس کی گردن میں حائل کرتے ہوئے سحر انگیز لہجے میں کہا مگر فیاض نے خفگی کے انداز میں اسے پیچھے کر دیا۔

”نہیں۔ فی الحال میں کہیں نہیں جا سکتا۔ اپنے لباس کے حکم پر مجھے ڈاکٹر ذیشان کی موت کی تفتیش کرنے کے لئے جانا ہے۔ واپسی پر سوچوں گا کیا کرتا ہے۔“ فیاض نے منہ بگاڑتے ہوئے کہا اور پھر اٹھ کر گیسٹ ہاؤس سے باہر نکل آیا۔ پورچ سے جیب نکال کر وہ ڈاکٹر ذیشان کے اپارٹمنٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے اپنے سیلولر فون پر کاشین سیکرٹ سروس کے چیف موشو سے رابطہ کیا۔

”سپر ٹینڈنٹ فیاض بول رہا ہوں۔ آپ اس وقت کہاں ہیں مسٹر موشو۔“ فیاض نے رابطہ قائم ہونے پر سپاٹ لہجے میں کہا۔

”میں اس وقت ڈاکٹر ذیشان کے اپارٹمنٹ پر موجود ہوں مسٹر فیاض۔ کیا بات ہے۔ آپ نے اچانک رابطہ کیا ہے۔“ دوسری طرف سے موشو کی آواز سنائی دی۔

”میں بھی وہیں آرہا ہوں۔ وہاں آ کر آپ سے بات کرتا ہوں۔“ فیاض نے قدرے ناخوشگوار انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔ جلد ہی وہ ڈاکٹر ذیشان کے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ کاشین وزارت داخلہ کی طرف سے اسے ایک اسپیشل کارڈ جاری کیا گیا تھا۔ اس لئے سکیورٹی والوں نے فوراً ہی اسے کلیئر کر دیا اور وہ ڈاکٹر ذیشان کے فلیٹ میں چلا گیا۔ وہاں کاشین سیکرٹ سروس کے چیف موشو کے علاوہ دیگر خفیہ اداروں کے سربراہ بھی موجود تھے اور مختلف ٹیکنیکل

افراد اور سراغ رساں پورے فلیٹ کا جائزہ لے رہے تھے۔ ڈاکٹر
ذیشان کی لاش بیڈروم سے ملی تھی اور جسم پر زخم وغیرہ کا ایک بھی نشان
نہیں تھا۔

”طبعی موت معلوم ہوتی ہے۔ مگر حتمی رپورٹ میڈیکل کیمیکل
انگزامیز کے چیک اپ کے بعد سامنے آئے گی۔“ — موشو نے
فیاض کو بتایا۔

”اور یہ رپورٹ کب تک آجائے گی۔“ — فیاض نے بڑبڑاتے
ہوئے پوچھا۔

”زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے تک۔ مجھے یہ رپورٹ میرے آفس میں
مل جائے گی۔ میں اس وقت ضروری کارروائی کے لئے اپنے آفس میں
جا رہا ہوں۔ انوسٹی گیشن کے لئے یہاں ہمارے دیگر لوگ موجود
ہیں۔“ — موشو نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ میں اس بارے میں مزید جاننے کے لئے بعد میں
آپ سے رابطہ کر لوں گا۔ ہم اس رپورٹ کے لئے بہت فکر مند
ہیں۔“ — فیاض نے سپاٹ لہجے میں کہا اور موشو سر ہلاتا ہوا وہاں
سے واپس چلا گیا۔

دو گھنٹے بعد فیاض سیکرٹ سروس چیف موشو کے دفتر میں داخل ہوا تو
اس کے سامنے والی کرسی پر ایک اور شخص بیٹھا تھا۔ جسے دیکھ کر فیاض
بری طرح چوٹکا۔ کیونکہ وہ عمران تھا۔ اسے وہاں بیٹھے دیکھ کر فیاض کا
منہ بن گیا۔

”تم یہاں عمران۔ خیریت تو ہے۔“ — فیاض نے شدید حیرت
کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”خیریت ہی ہے۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو۔“ — عمران نے
اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

”وہ۔ دراصل تمہارے ڈیڈی سخت طیش میں تھے۔ انہیں اعتراض تھا
کہ سیکرٹ سروس ہر معاملے میں مداخلت کرتی رہتی ہے۔ جس سے
انٹیلی جنس کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔“ — فیاض نے
خشک لہجے میں کہا۔

”سر رحمان کو اگر کوئی اعتراض ہے تو وہ پاکیشیا حکومت سے بات
کریں۔ میرے ساتھ بات کرنے کا تمہارا کیا مقصد ہے۔“ — عمران
نے غصے کے انداز میں کہا۔

”حیرت ہے۔ اس میں غصہ کی کیا بات ہے۔ وہ تمہاری چچہا ہٹ۔
بلکہ بلبلا ہٹ کہاں چلی گئی۔ تم تو بہت کھردرے سے دکھائی دے رہے
ہو۔“ — فیاض نے اب تکلف کی حدود کو کراس کرتے ہوئے عمران
کو مخاطب کیا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا۔ صرف اپنے کام سے غرض رکھو مسٹر
فیاض۔ سمجھے تم۔“ — عمران نے تلملاتے ہوئے کہا اور فیاض حیرت
ناک انداز میں آنکھیں پھاڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا
کہ کیا یہ وہی عمران ہے جو حماقتوں اور شرارتوں کا ملغوبہ تھا یا کوئی اور
ہے۔ مگر عمران حد درجہ سنجیدہ تھا۔ پھر وہ موشو کی طرف متوجہ ہوا۔

”مسٹر موشو۔ مجھے علیحدگی میں آپ سے بات کرنا ہوگی۔“ عمران نے فیاض کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے موشو سے کہا۔

”آف کورس مسٹر علی عمران۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو میرے چیمبر میں چلے جائیں۔ میں ابھی مسٹر فیاض سے بات کر کے آپ کے پاس آتا ہوں۔“ موشو نے مہذبانہ انداز میں کہا اور عمران اثبات میں سر ہلانے لگا۔ موشو نے گھنٹی بجاکر ایک اردلی کو طلب کیا۔ وہ فوراً ہی سر جھکائے اندر آ گیا۔

”مسٹر علی عمران کو میرے چیمبر تک لے جاؤ۔“ موشو نے اردلی سے کہا اور عمران اٹھ کر فیاض کی طرف دیکھے بغیر اس کے ساتھ باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی فیاض طیش کی حالت میں موشو کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عمران نے اس کی توہین کیوں کی ہے۔ عام حالات میں عمران ہرگز ایسا نہیں کرتا تھا بلکہ الٹا فیاض اسے جھاڑتا رہتا تھا۔ یہاں البتہ صورت حال بالکل الٹ نظر آئی تھی۔ عمران حد سے زیادہ سنجیدہ تھا اور اس کا گفتگو کا انداز بھی بدلا ہوا تھا۔ اس نے نہایت اکڑپن سے فیاض سے بات کی تھی اور اس کے لہجے میں شوخی شرارت کا شائبہ تک نظر نہیں آیا تھا۔

”یہ عمران یہاں کیا کرنے آیا ہے۔“ فیاض نے قدرے درشتگی سے موشو سے پوچھا۔

”اسی ڈاکٹر طیب کیس کے سلسلے میں۔ پاکیشیائی فارن مسٹر نے اسے یہاں بھیجا ہے۔ لیکن آپ یہ سوال کیوں پوچھ رہے ہیں۔“ موشو

نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا۔

”دراصل اتنے زیادہ اداروں کے ایک ہی کیس میں ملوث ہو جانے سے کچھ بڑی پک جاتی ہے۔ کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔“ فیاض نے ناگواری سے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”میرے خیال میں تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر شخص اپنے طعنے پر کام کرتا ہے۔ اب ہم بھی تو اس کیس کو ذیل کر رہے ہیں۔ خیر۔ یہ اپنی اپنی سوچ ہے اور جونہی ہمارے ہاتھ کوئی سراغ لگے گا تو ہم آپ کو آگاہ کر دیں گے۔“ موشو نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا اور فیاض اس کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”ٹھیک ہے۔ میں گیسٹ ہاؤس جا رہا ہوں۔ اور جونہی آپ کو کوئی سراغ ملے تو ٹراسمیٹر پر مجھے اطلاع کریں۔“ فیاض نے کہا اور پھر موشو کے دفتر سے باہر نکل گیا۔ وہ بھی اٹھ کر اپنے چیمبر کی طرف چلے گئے جہاں عمران ان کا انتظار کر رہا تھا۔

”مسٹر علی عمران۔ مجھے آپ کے آنے کی بے حد خوشی ہو رہی ہے۔ بلکہ میں تو آپ کا منتظر تھا۔ ہمیں معلوم ہو گیا تھا کہ ڈریگن کے فائٹرز نے آپ پر جان لیوا حملہ کیا ہے اور آپ بری طرح گھائل ہو کر ہسپتال میں ہیں۔ اس قدر جلد ریکوری حاصل کر لینا ایک معجزہ ہی ہے۔“ موشو نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے گرمجوشی سے کہا۔

”جلد ٹھیک ہونا بھی ضروری تھا مسٹر موشو۔ کلیویا سیکرٹ سروس اور ڈریگن کی سرگرمیاں ہمارے خلاف مزید زور پکڑتی جا رہی ہیں۔“ عمران

نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

”آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔ مگر اٹیلی جنس نے اس سپرٹینڈنٹ فیاض جیسے عجیب شخص کو یہاں کیوں بھیج دیا ہے۔ یہ آدمی فیلڈ میں تو کوئی کام کرتا نہیں ہے۔ صرف بے تکے اور فضول سوال پر سوال کرتا جاتا ہے۔ جب سے آیا ہے اس کا بس یہی ایک کام ہے۔“

موشو نے فیاض پر اپنے ریمارکس پاس کرتے ہوئے کہا۔

”چھوڑیں مسٹر موشو۔ وہ جو کرتا ہے کرنے دیں۔ کبھی کبھی ایسا ناکارہ سکے بھی کام آ جاتا ہے۔ ویسے بھی وہ اٹیلی جنس کا آدمی ہے اور انہوں نے بھی حکومت کو باقاعدہ رپورٹ پیش کرتا ہوتا ہے۔ ورنہ تو ان کے محکمہ پر تالے ڈال دیئے جائیں۔“ — عمران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”یہ تو ہے۔ اچھا آپ بتائیے مسٹر عمران۔ اس سارے معاملے کے لئے آپ نے کیا حکمت عملی سوچی ہے۔ کیونکہ کلیویا سیکرٹ سروس شیان اور ڈریگن تیزی سے اپنے جال پھیلاتے جا رہے ہیں۔ اب ڈریگن کے ہاتھوں ڈاکٹر ذیشان کی موت اور بلیک آئی ڈسک کا غائب ہو جانا اس کا کھلا ثبوت ہے۔“ — موشو نے متفکرانہ لہجے میں کہا۔

”کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ یہ کام ڈریگن نے کیا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”کاشین سیکرٹ سروس کو کچھ ایسے سراغ ملے ہیں جو ڈریگن کی یہاں موجودگی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہمارے چند ایجنٹ ڈریگن کے کام

کرنے کے طریقہ کار سے کافی واقفیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ کلیویا سے بھی ہمارے کچھ سیکرٹ ایجنٹوں نے اطلاع دی ہے کہ ڈریگن یہاں پہنچ چکا ہے۔ اس سے پہلے کلیویا میں ہماری ایک کمانڈو فورس نے ڈریگن پر حملہ کر کے اسے ختم کرنا چاہا تھا۔ اس وقت وہ کلیویا میں سیکرٹ سروس شیان کے ہیڈ کوارٹر سے ایک ٹاپ سیکرٹ میٹنگ میں شرکت کر کے باہر نکلا تھا۔ لیکن بد قسمتی سے اس انٹیک میں ہماری کمانڈو فورس ہی ڈریگن کے ہاتھوں ماری گئی۔ بہر حال ہمارے ایجنٹوں نے اس میٹنگ کی ایک خفیہ ویڈیو تیار کر لی تھی جس میں کلیویائی حکومت کے اعلیٰ عہدیداروں ڈیفنس منسٹر اور فارن منسٹر وغیرہ نے بھی شرکت کی تھی اور ان کا مشترکہ فیصلہ یہی تھا کہ ہم سے بلیک آئی ڈسک حاصل کر کے کسی نہ کسی طرح پیکو۔ ون سیٹلائٹ پراجیکٹ کو ہائی جیک کر لیا جائے۔ لہذا اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ کلیویا اپنے اٹامک بم دنیا بھر کے خلاف استعمال کر کے وسیع پیمانے پر تباہی و بربادی پھیلانا چاہتا ہے۔ ہم نے اس خفیہ ویڈیو کی ایک کاپی اکیمریمیا، فریش لینڈ، کنگ لینڈ، روسیہ اور کاجان کو بھی فراہم کر دی ہے اور ان سب نے کلیویا کے مذموم عزائم کو بے نقاب کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہمیں اپنے پیکو۔ ون پراجیکٹ کو محفوظ رکھنے کے لئے فوراً کلیویا اور ڈریگن کے خلاف کچھ کرنا پڑے گا۔“ — موشو نے پوری تفصیل عمران کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور وہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

”فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم انہیں اچھی طرح دیکھ

لیں گے۔ آپ کو اگر کوئی مزید اطلاع یا سراغ ملے تو مجھے فوراً آنکھ کر دیں۔“ — عمران نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

”اور ہاں۔ آپ کے لئے ہم نے ایک خفیہ جگہ رہنے کا انتظام کیا ہے۔ وہاں آپ کو ہر سہولت دستیاب ہوگی۔“ — موشو نے دراز سے ایک کارڈ اور چند چابیاں نکال کر عمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

عمران نے کارڈ پر ایک نظر ڈالی اور پھر موشو سے مصافحہ کر کے باہر نکل آیا۔ اپنی کار میں بیٹھ کر وہ وہاں سے روانہ ہوا۔ کارڈ پر ڈینگ روڈ کا پتہ درج تھا۔ یہ ایک پوش رہائشی علاقہ تھا اور موشو نے جس جگہ کی چابیاں عمران کو دی تھیں وہ ایک عالی شان بنگلہ تھا۔ عمران نے کار پورچ میں روک کر وہاں گھوم پھر کر بنگلے کا اندرونی جائزہ لیا۔ موشو کے کہنے کے مطابق وہاں واقعی ہر قسم کی سہولت موجود تھی۔ عمران کو اپنے مقصد کے لئے وہ جگہ پسند آئی۔ وہ کچھ دیر بعد وہاں سے نکلا اور کار میں بیٹھ کر ایک سمت کو روانہ ہو گیا۔

سو پر فیاض اپنے گیسٹ ہاؤس پہنچا تو مس ٹونکل اس کی منتظر تھی۔ لیکن فیاض نے اسے کوئی خاص لفت نہیں کروائی کیونکہ ایک تو وہ پہلے ہی سر رحمان کی ڈانٹ کی وجہ سے پریشان تھا اور اب عمران کی وہاں آمد اور اس کے سخت رویے کی وجہ سے وہ اور زیادہ پریشانی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اب وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے یہ الجھا ہوا کیس

اپنے ہاتھ میں لینے اور کاشین آنے کا فیصلہ کیا تھا۔ دفتر میں بیٹھ کر فائلیں کھگانے اور فیلڈ میں سراغ رسانی کرنے میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اور اب یہ فرق اسے واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن صورتحال ایسی بن گئی تھی کہ وہ تو کمبل کو چھوڑنا چاہتا تھا مگر کمبل اسے نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اس نے سر رحمان کو ڈاکٹر ذیشان کے بارے میں رپورٹ دینے کا فیصلہ کیا۔ مگر پھر یہ سوچ کر اسے فیصلہ ملتوی کرنا پڑا کہ آخر وہ کیا رپورٹ دے گا؟ اس کے پاس تو ایک معمولی سا بھی سراغ نہیں تھا۔ وہ افسردگی کی حالت میں ایک طویل سانس لے کر آرام کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

”تم بہت زیادہ پریشان نظر آ رہے ہو ڈیئر۔ میرا خیال ہے تمہیں ریلیکس ہونے کی ضرورت ہے۔ چلو میں تمہیں ایک ایسی پرسکون جگہ لے جاتی ہوں کہ تم ریلیکس ہو جاؤ گے۔“ — ٹونکل نے مٹھاس بھرے انداز میں اسے پیش کش کی۔

”مثلاً کہاں لے جاؤ گی تم مجھے۔“ — فیاض نے تیکھی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”ساحل سمندر پر۔ ایک ایسے آئیڈیل اسپاٹ پر کہ تمہاری روح تک تروتازہ ہو جائے گی۔ چلو بھی ڈیئر۔ میں تمہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی۔“ — ٹونکل نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کر فیاض کے چہرے پر سوچ کی گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔ مگر پھر کچھ سوچ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”چلو۔ میرا خیال ہے کہ مجھے تمہارے ساتھ آؤنگ کے لئے ضرور جانا چاہئے۔ ویسے بھی کاشین ایک خوبصورت ملک ہے۔ اور تم اس سے بھی زیادہ خوبصورت۔“ فیاض نے جلد ہی اپنی ٹون میں واپس لوٹتے ہوئے کہا اور ٹونکل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں لباس تبدیل کر کے اپنی کار میں ساحل سمندر کی طرف جا رہے تھے۔ ڈرائیونگ ٹونکل کر رہی تھی۔ شہر کی پر رونق حدود سے نکل کر وہ کچھ ہی دیر میں ایک قدرے سنان اور خاموش سڑک پر پہنچ گئے جو سیدھی ساحل سمندر تک چلی جاتی تھی۔ اچانک ٹونکل کی نظر بیک مرر پر پڑی تو اسے ایک سفید رنگ کی شیور لیٹ اپنے پیچھے آتی نظر آئی۔ ٹونکل کو خیال آیا کہ یہی کار شہری حدود میں بھی اس کے پیچھے آرہی تھی مگر پھر ٹریفک کے اڑدھام میں گم ہو گئی۔ اس لئے ٹونکل نے وہاں اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ مگر اب یہاں اس سفید کار کا ان کے پیچھے آنا اس کے لئے تشویش کن تھا۔ اس کے چہرے پر قدرے پریشانی کے آثار ابھر آئے اور فیاض نے بھی اس کی پریشانی کو بھانپ لیا۔

”کیا بات ہے ٹونکل ڈیر۔ اب میرے بجائے تم پریشان نظر آ رہی ہو۔ خیریت تو ہے۔“ فیاض نے الجھن زدہ لہجے میں پوچھا۔

”ہاں۔ پریشانی ہی کی بات ہے۔ ایک سفید شیور لیٹ ہمارے تعاقب میں آ رہی ہے اور وہ پیکاننگ کی تہی ہمارے پیچھے لگی ہوئی

ہے۔“ ٹونکل نے فکر مندانہ لہجے میں اسے بتایا۔

”تعاقب۔ تم اپنی کار روکو۔ میں دیکھتا ہوں کون حرامزادہ ہمارے پیچھے آ رہا ہے۔ اور وہ چاہتا کیا ہے۔“ فیاض نے اپنے ہولسٹر سے ریوالور نکالتے ہوئے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔ چنانچہ اگلے ہی لمحے ٹونکل نے اپنی کار کے بریک دہاتے ہوئے اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔ اسی لمحے ان سے تقریباً دو سو گز دور پیچھے آتی ہوئی سفید شیور لیٹ یک لخت سڑک سے اتر کر ایک کچی پگڈنڈی پر مڑ گئی اور گردوغبار کے بادل اڑاتی ہوئی درختوں کے گھنے جھنڈ میں غائب ہو گئی۔

”شٹ۔ کوئی دشمن ہی تھا۔ ورنہ ہمارے رکنے پر یوں غائب نہ ہوتا۔“ فیاض نے غصے سے دانت پیسے۔

”لعت بھیجو۔ اب نظر آئے تو بے دریغ شوٹ کر دیتا۔“ ٹونکل نے اسے شہد دیتے ہوئے کہا اور پھر ایک سیلیٹر دباتے ہوئے اپنی گاڑی کو آگے بڑھا دیا۔ ساحل سمندر قریب ہی تھا۔ اور تعاقب میں آنے والی سفید شیور لیٹ دوبارہ دکھائی نہیں دی تھی۔ ساحل سمندر سے کچھ فاصلے پر ٹونکل نے اپنی کار روک دی۔ یہ ویران، سنان اور نہایت اجاڑ جگہ تھی۔ ساحل کے ساتھ ساتھ خود رو جھاڑیوں کے طویل سلسلے پھیلے ہوئے تھے اور جگہ جگہ کچرے کے ڈھیر لگے تھے۔ بدبو اور تعفن کے شدید بھیسو کے وہاں سے اٹھ رہے تھے۔ فیاض نے حیرت زدہ نظروں سے اس منظر اور ویران جگہ کو دیکھا۔

”یہ تم کہاں آ گئی ہوہنی۔ تم تو کہہ رہی تھی کہ بہت ہی پرسکون اور آئیڈیل ساحل سمندر پر جا رہی ہو۔ مگر یہ جگہ۔“ فیاض نے تشویش کن انداز میں باہر دیکھتے ہوئے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ مگر ٹونکل اس کی بات سنی ان سنی کرتی ہوئی اطمینان سے دروازہ کھول کر کار سے باہر نکل گئی۔ چند فٹ دور جا کر وہ مڑی تو اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ ریوالور چمکتا نظر آ رہا تھا اور ہونٹوں پر زہر خند مسکراہٹ ریگ رہی تھی۔ اس کے ریوالور کی نال کا رخ فیاض کی طرف تھا۔ فیاض اس کی یہ حرکت دیکھ کر بری طرح چونک پڑا۔

”خاموشی سے باہر آ جاؤ اور اپنے ہاتھ اوپر کھڑے رکھو۔ کوئی غلط حرکت نہیں۔ ورنہ۔۔۔۔۔۔“ ٹونکل نے گرجتی آواز میں فیاض کو حکم دیا اور جارحانہ انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ فیاض اس اچانک کایا پلٹ پر سناٹے میں رہ گیا۔

”کون ہو تم اور اس بھیا تک حرکت کا مطلب۔“ فیاض نے غضب آلود لہجے میں اس سے کہا مگر اس کے الفاظ حلق میں اٹک رہے تھے۔

”کوئی سوال نہیں۔ سب کچھ بعد میں بتایا جائے گا۔“ ٹونکل نہایت کرخت لہجے میں بولی۔ چنانچہ فیاض خاموشی سے دروازہ کھول کر کار سے باہر نکل آیا۔ مگر اگلے لمحے اس کے ہاتھ میں بھی ریوالور نظر آ رہا تھا جس کا رخ ٹونکل کی طرف ہی تھا۔

”تم۔ سفید کتیا۔ مجھے سمجھتی کیا ہو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہارا پالا

کس سے پڑا ہے۔ اب تم اپنا ریوالور پھینک دو ورنہ فائر داغنے اور نشانہ بازی میں میں نے بھی کافی ڈگریاں لی ہیں۔ چلو جو کہہ رہا ہوں ویسا کرو۔ ہری اپ یو بلڈی سوائکین۔“ فیاض نے بری طرح مغالطات جکتے ہوئے کہا۔ مگر ٹونکل کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

”کوئی فائدہ نہیں۔ تمہارے ریوالور کی گولیاں تو میں وہیں گیٹ ہاؤس میں نکال چکی تھی۔ بھرے ہوئے ریوالور کے ساتھ کیا میں تمہیں یہاں اٹھا لاتی۔“ اس نے جھٹائے ہوئے لہجے میں کہا اور اس کی بات سن کر فیاض کو دھچکا سا لگا۔ اگلے لمحے اس نے ٹریگر دبا دیا۔ مگر صرف ٹھس کی آواز ہی کانوں سے ٹکراسکی۔ میگزین واقعی گولیوں سے خالی تھا۔

”اب تمہارے کھاتے میں بدتمیزی کا اضافہ بھی ہو چکا اور اس کی الگ سزا مقرر کی جاتی ہے۔“ وہ زہر خند لہجے میں بولی۔ پھر اس نے ایک ہوائی فائر داغا تو اگلے ہی لمحے ان کے قریب ساحل سمندر پر ایک جدید ترین آبدوز ابھر کر سطح پر آ گئی اور اس کا اوپری خول کسی سیپ کی مانند کھل گیا۔

”بڑے آرام سے چلتے ہوئے اس آبدوز میں اتر جاؤ۔ باقی باتیں وہاں بیٹھ کر ہوں گی۔ اور ہاں۔ ہاتھ سر سے بلند ہی رکھنا۔ میں دھمکیاں دینے کے بجائے عمل کرنا زیادہ پسند کرتی ہوں۔ چلو جلدی کرو۔“ اس نے گرجتے ہوئے کہا اور فیاض بے بسی کی حالت میں ہاتھ اٹھائے آبدوز کی طرف بڑھنے لگا۔ عین اسی لمحے ایک کار فرائے بھرتی ہوئی ٹونکل کے عقب سے نمودار ہوئی اور ایک زور دار

جھٹکے سے چند گز کے فاصلے پر رک گئی۔ ٹائروں کی زبردست چڑچڑاہٹ سے دور و نزدیک کی فضا تھرا اٹھی۔ ٹونکل بری طرح چوکتے ہوئے مڑی۔ یہ وہی سفید شیور لیٹ تھی جو پیکاٹنگ سٹی سے اس کا تعاقب کرتی ہوئی آئی تھی اور کچھ فاصلہ پہلے درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گئی تھی۔ سفید شیور لیٹ کی ڈرائیونگ سیٹ پر دئی بھی موجود نہیں تھا۔ اور یہ ایک حیرت انگیز بات تھی کہ کار کے اندر کوئی ذی روح موجود نہیں تھا۔ وہ اندر سے بالکل خالی تھی۔ چند لمحوں کے اندر خاموشی طاری رہی۔ آخر زچ ہو کر ٹونکل نے کار پر اندھا دھند گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ سفید شیور لیٹ کی ونڈ اسکرین چمکا چور ہو کر بکھر گئی اور اس کی باڈی پر بھی کئی سوراخ ہو گئے۔ مگر نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلا۔ وہی خاموشی بدستور طاری تھی۔ اس نے تیزی سے ریوالور کا میگزین دوبارہ لوڈ کر لیا۔

”کار میں جو کوئی بھی ہے باہر نکل آئے ورنہ میں اسے ہینڈ گرینڈ سے اڑا دوں گی۔“ ٹونکل نے دہاڑتی ہوئی آواز میں دھمکی دی۔ چند لمحوں بعد اچانک دائیں سمت کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی پھرتی سے باہر کود کر جھاڑیوں کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔ اب وہ خود رو جھاڑیوں کے جھنڈ میں پوشیدہ تھا۔ ٹونکل نے تیزی سے اپنی کار کے عقب میں پوزیشن لے لی۔ کیونکہ خطرہ تھا کہ سفید شیور لیٹ سے نمودار ہو کر جھاڑیوں میں پوشیدہ ہونے والا شخص اس پر فائرنگ کر سکتا تھا۔ وہ فیاض کی طرف مڑی جو چند قدم دور بھونچکا سا کھڑا تھا۔

”تم یہاں کھڑے بے وقوفوں کی طرح کیا دیکھ رہے ہو۔ میں نے

تمہیں آبدوز میں جانے کا حکم دیا تھا۔ دفعان ہو جاؤ۔ ورنہ بے موت مارے جاؤ گے۔“ وہ بری طرح گرجی اور فیاض خوفزدہ انداز میں آبدوز کی طرف بڑھ گیا۔ ٹونکل دوبارہ جھاڑیوں کی طرف مڑی۔

”تم جو کوئی بھی ہو۔ خاموشی سے سامنے آ جاؤ۔ ورنہ میرے پاس اتنے گرینڈز ہیں کہ اس پورے علاقے کو اڑا دوں گی اور چند لمحوں میں تمہارے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔“ اس نے خونخوار انداز میں وارننگ دی۔ چند لمحوں کے اندر خاموشی طاری رہی اور پھر یلکھت ایک دوسرے مقام سے کوئی سیاہ چیز ہوا میں اچھلی اور ہوا ہی میں تیرتی ہوئی سیدھی ٹونکل کے اوپر آ پہنچی۔ وہ سیاہ لباس میں ملبوس کوئی شخص تھا۔ ٹونکل اس کے نیچے دب کر بری طرح چیختی ہوئی زمین بوس ہو گئی۔ اچانک نمودار ہونے والے شخص کو دیکھ کر فیاض حیرت سے اچھل پڑا۔ کیونکہ وہ عمران تھا۔ وہ ٹونکل سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا عجیب انداز میں مسکرا رہا تھا۔

”اٹھو ڈریگن کی لاڈلی۔ چہیتی۔ فائٹر۔ میں تمہیں دفاع کا پورا موقع دوں گا۔ صنف نازک کے ساتھ ہمیشہ امتیازی سلوک ہونا چاہیے۔“ عمران نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ جبکہ فیاض آبدوز کے قریب کھڑا حیرت ناک نظروں سے عمران کی طرف دیکھ رہا تھا اور عمران کو اچانک وہاں دیکھ کر اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ اب اسے اپنی زندگی محفوظ نظر آنے لگی۔ ٹونکل جو واقعی ڈریگن کی فائٹر تھی اور ڈریگن کے حکم پر وہ فیاض کو کلیویا لے جانا چاہتی تھی۔ عمران کے یلکھت وہاں نمودار ہو جانے

ہی جست میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ پلک جھپکنے کی دیر میں گولی اس کے ریوالور سے برآمد ہوئی اور ٹونکل کے دائیں کندھے کو چیرتی چلی گئی۔ وہ عمران کی حیرت انگیز پھرتی کا ساتھ نہ دے سکی تھی۔ عمران کسی گولے کی مانند اس کی طرف لپکا۔ لیکن شاید وہ مزید فائٹ کے موڈ میں نہیں تھی اور شدید زخمی بھی ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہ الٹی قلابازی لگا کر ہوا میں لہراتی آبدوز کے قریب جا پڑی۔ فیاض پہلے ہی وہاں کھڑا ششدر حالت میں یہ لڑائی دیکھ رہا تھا۔ اسے شاید یہ ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ ٹونکل اچانک یوں اس کے سر پر آدھمکے گی۔ وہ گڑبڑا کھڑا رہ گیا۔ اسے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ ٹونکل نے کسی بھالو کی طرح اسے کمر سے دبوج کر اٹھایا اور آبدوز میں اچھال دیا۔ اور ساتھ ہی وہ خود بھی اڑتی ہوئی آبدوز میں جا گری۔ عمران بجلی کی سی تیزی سے اس کی طرف لپکا مگر اس اثناء میں آبدوز کا سیپ نما خول بند ہو چکا تھا اور وہ تیزی سے سمندر کے پانی میں اترتی چلی گئی۔ عمران نے پے درپے اس پر فائر داغے۔ گولیاں آبدوز کے بیرونی حصے سے ٹکرائیں مگر اسے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ چند ہی لمحوں میں وہ سمندر میں غائب ہو گئی اور عمران خالی ریوالور ہتھیلی پر رگڑتا رہ گیا۔

پر وہ بری طرح دانت پیسنے لگی۔ عمران اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ جبکہ وہ بھی اب اچھل کر کھڑی ہو چکی تھی۔
”اچھا ہوا عمران جو تم خود یہاں آ گئے۔ ڈریگن ماسٹر نے اس کے بعد شکار کے لئے تمہارا ہی نمبر جاری کیا تھا۔ لیکن اب میرے لئے تم پہلے نمبر پر ہو۔“ ٹونکل نے منہ سے خون تھوکتے ہوئے ہسٹریائی لہجے میں کہا۔

”ڈریگن ماسٹر کی کیا بات ہے۔ کتنے نازک اندام، خوبصورت شکاری میرے شکار کے لئے بھیج رہا ہے۔ لگتا ہے وہ بہت ہی سہانی موت مارنا چاہتا ہے مجھے۔“ عمران نے چپکتے ہوئے انداز میں کہا مگر اسی لمحے ٹونکل نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ وہ ایک زوردار دھماکے کے ساتھ عمران سے ٹکرائی۔ وہ ہوا میں تیرتی ہوئی آئی تھی اور اس کا چہرہ آسمان کی طرف تھا۔ اس کے پاؤں عمران کے سینے سے ٹکرائے اور وہ لڑکھڑاتا ہوا قریبی جھاڑیوں میں الٹ کر گرا۔ ٹونکل قلابازی لگا کر سیدھی زمین پر آکھڑی ہوئی۔ عمران بری طرح سے جھاڑیوں میں الجھا پڑا تھا۔ ٹونکل جہاں کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا ریوالور اس کے قریب ہی سرخ ریت پر پڑا تھا۔ اور اس نے جھپٹ کر ریوالور اٹھا لیا۔ دوسرے لمحے اس نے عمران پر فائر داغ دیا۔ مگر عمران اس کی طرف سے غافل ہرگز نہیں تھا۔ وہ برق کے کوندے کی طرح پلٹ گیا۔ گولی اس سے محض ایک فٹ کے فاصلے پر زمین میں دھنس گئی۔ ٹونکل نے یہ دیکھ کر دوسرا فائر کرنا چاہا مگر عمران سنبھل چکا تھا۔ وہ ایک

فیاض کے کام میں نہ تو کوئی مداخلت کی جائے اور نہ اسے اپنے ساتھ منسلک کیا جائے۔

جولیا، صفدر ہی کے ہوٹل میں ٹھہری تھی۔ ڈی ڈوائنریشنل ہوٹل میں ان کے کمرے ساتھ ساتھ تھے۔ ہر ہوٹل میں صرف دو ممبران موجود تھے۔ صفدر نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا تھا کہ تاکہ دشمن کے حملے کی صورت میں وہ سب بیک وقت اس کی زد میں نہ آسکیں۔ ہوٹل میں پہنچتے ہی صفدر نے کاشین سیکرٹ سروس کے سربراہ موشو سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ ڈریگن کے خلاف ایکشن جلد از جلد شروع کیا جاسکے۔ وہ جولیا کو انفارم کر کے ہوٹل سے نکل کر ایک قریبی ٹیلی فون بوتھ میں چلا گیا اور موشو کے سیلوفون پر رابطہ کیا۔

”ہیں۔ موشو اسپیکنگ۔“ رابطہ ملتے ہی دوسری طرف سے کاشین سیکرٹ سروس کے چیف موشو کی تیکھی آواز سنائی دی۔

”صفدر فرام پاکیشیا سیکرٹ سروس۔ میں یہاں پیکاٹنگ آچکا ہوں سر۔ اور ڈریگن کے آپریشن بلیک آئی کے سلسلے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ صفدر نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

”اوہ۔ مسٹر صفدر۔ پاکیشیا فارن منسٹری نے آپ کی آمد کی اطلاع کر دی تھی۔ میں اس وقت اپنے گھر پر موجود ہوں۔ نائن الیون ورلڈ ٹریڈ ایونیو۔ پتایا روڈ۔ اگر آپ میری رہائش گاہ پر آنا چاہیں تو میں آپ کا منتظر ہوں گا۔“ دوسری طرف سے موشو نے خوش اخلاقی سے جواب دیا۔

پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران صفدر کی قیادت میں کاشین کے دارالحکومت پیکاٹنگ پہنچ چکے تھے۔ پاکیشیا سے روانگی کے وقت ایکسٹو نے بتایا تھا کہ آپریشن بلیک آئی کا سرغنہ ڈریگن اور اس کے ساتھی پیکاٹنگ میں موجود ہیں اور بلیک آئی ڈسک حاصل کرنے کے بعد اب وہ پیکو۔ ون پراجیکٹ کو ہائی جیک کرنے کی کوشش کریں گے جو ان کا اصل ٹارگٹ تھا اور صفدر کے لئے یہ بات تشویش ناک تھی کہ ڈریگن بذات خود کاشین میں موجود تھا اور اس کا ایک ہی واضح مطلب تھا کہ آپریشن بلیک آئی غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ صفدر نے اپنے ساتھیوں کو حفظ ماتقدم کے طور پر مختلف ہوٹلوں میں ٹھہرایا تھا۔ اس کے ساتھ تنویر، جولیا، نعمانی، صدیقی، چوہان اور خاور آئے تھے۔ جبکہ ایکسٹو نے بتایا تھا کہ سوپر فیاض بھی تفتیش کے سلسلے میں وہاں موجود ہے۔ مگر اس کی حیثیت انفرادی تھی اور ایکسٹو نے خاص طور پر ہدایت کی تھی کہ

”جی ہاں۔ میرا ابھی آپ سے ملنا ضروری ہے۔ اس لئے میں آپ کے گھر آ رہا ہوں۔“ — صفدر نے کہا۔

”موسٹ ویکم۔ میں منتظر ہوں۔ اور آپ کے لئے کچھ اہم نیوز بھی ہیں میرے پاس۔“ — موسو نے کہا اور پھر ان کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا۔ صفدر نے جولیا کو اپنے ہمراہ لیا اور ایک ٹیکسی میں موسو کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ صفدر نے ڈرائیو کو ورلڈ ٹریڈ ایونیو، پتایا روڈ کا پتہ بتا دیا۔ پتایا روڈ پر انہوں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ یہ ایک پوش رہائشی علاقہ تھا مگر یہاں صرف بڑے سرکاری افسران ہی رہائش پذیر تھے۔ موسو کے بنگلے کا نمبر ٹائن الیون تھا۔ جسے تلاش کرنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ بنگلے کے بیرونی گیٹ پر مسلح سکیورٹی گارڈز تعینات تھے۔ صفدر نے ان کے انچارج آفیسر کو اپنا نام بتایا۔ اس نے اندر موجود موسو سے انٹرکام پر بات کی اور پھر صفدر اور جولیا کو لینے مسٹر موسو خود باہر آ گئے۔ وہ دونوں کو اپنے شاندار سنگ روم میں لے گئے۔

”حیرت ہے۔ آپ لوگ الگ الگ یہاں آئے ہیں۔ مسٹر علی عمران کا تعلق بھی تو پاکیشیا سیکرٹ سروس سے ہے۔“ — موسو نے عجیب انداز میں کہا اور عمران کا نام سن کر صفدر اور جولیا دونوں چونک پڑے۔

”عمران۔ تو کیا وہ یہاں موجود ہیں۔“ — صفدر نے شدید حیرت کا اظہار کیا۔

”جی ہاں۔ وہ نہ صرف یہاں موجود ہیں بلکہ مجھ سے مل بھی چکے ہیں۔ وہ بھی تو اسی مشن پر یہاں آئے ہیں۔ کیوں۔ کیا آپ کو ان کے یہاں آنے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔“ — موسو نے اپنا سرگام سلگاتے ہوئے کہا۔

”عمران صاحب تو شدید زخمی حالت میں اسپتال میں تھے۔ پھر وہ یہاں اتنی جلدی کیسے پہنچ گئے۔“ — صفدر نے موسو کے بجائے جولیا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

”عمران ٹیڑھی پسلی کا بنا ہوا ہے۔ اور تم تو جانتے ہو کہ اس کے لئے کچھ بھی ناممکن نہیں۔ خیر اس قصے کو چھوڑو۔ میرا خیال ہے کہ ہمیں عمران سے ملنا چاہئے۔ اگر وہ اسی مشن پر ہے تو ہم مل کر کام کر سکتے ہیں۔“ — جولیا نے اسے مشورہ دیا۔

”ٹھیک ہے۔ لیکن اس کے لئے پہلے ایکسٹو سے اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔“ — صفدر نے سوچتے ہوئے کہا۔ پھر وہ موسو کی طرف متوجہ ہوا۔

”مسٹر موسو۔ کیا عمران صاحب سے ہماری ملاقات ہو سکتی ہے۔ یا فون پر ان سے بات ہو جائے۔“ — صفدر نے کہا۔

”کیوں نہیں مسٹر صفدر۔ لیکن اس سے پہلے میں آپ کو ایک اور خبر دینا چاہتا ہوں اور وہ چانگ شی کے بارے میں ہے۔ ہمارے سیکرٹ ایجنٹوں نے اس کے بارے میں اہم معلومات حاصل کی ہیں۔“ موسو نے پر جوش انداز میں کہا۔

”چانگ شی۔ یہ کون ہے۔“ — صفدر کا لہجہ حیرت و استعجاب سے بھرپور تھا۔

”ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ اکیسویں صدی کا ایک عجوبہ اور ڈریگن کا خاص دست راست ہے۔ ٹیلی پیٹھی اور رہنماؤں کی پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔ ڈاکٹر طیب کیس میں تو ہم اس کا سراغ نہیں لگا سکے تھے۔ کیونکہ ان کی نعش پوسٹ مارٹم کی معمولی کارروائی کے بعد پاکیشیا روانہ کر دی گئی تھی۔ مگر ڈاکٹر ذیشان کی پراسرار موت پر ہمارے خفیہ ادارے خاص طور پر الرٹ ہو گئے۔ ڈاکٹر ذیشان کی موت بظاہر طبعی نظر آرہی تھی مگر ہمارے میڈیکولیکل ریسرچ سنٹر کے ماہرین یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ڈاکٹر ذیشان کی موت طبعی طریقے سے واقع ہوئی ہے۔ انہوں نے اس پر کافی ریسرچ کی ہے۔ اسی لئے ڈاکٹر ذیشان کی میت ابھی تک پاکیشیا روانہ نہیں کی گئی۔ میڈیکولیکل ریسرچ ٹیم میں ہمارے ہائی کوالیفائیڈ ماہرین نفسیات بھی شامل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ذیشان کے دماغ میں کوئی پراسرار قوت سرايت کر گئی تھی اور اس کے پھیپھڑوں میں ایک ایسی زہریلی گیس کی موجودگی کے آثار بھی ملے ہیں جس کا اس دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ مگر ہمارے ایجنٹوں نے بتایا ہے کہ یہ عجیب قسم کی زہریلی گیس ڈریگن کے جسم میں موجود ہے اور وہ اس کے ذریعے پہلے بھی اپنے کئی دشمنوں کا خاتمہ کر چکا ہے۔ لہذا اس میں کوئی شبہ نظر نہیں آتا کہ پہلے چانگ شی نے ڈاکٹر ذیشان کی دماغی قوتوں پر قابو حاصل کیا اور بعد میں ڈریگن نے اپنی عجیب و غریب

زہریلی گیس سے اسے موت کے حوالے کر دیا۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ چانگ شی کو کچھ دن پہلے ہماری کاشین اسپیشل سکیورٹی فورسز کے چیف جنرل ٹی نے گرفتار کر لیا تھا۔ اس وقت چانگ شی پیکو۔ ون خفیہ سیٹلائٹ پراجیکٹ پلانٹ کے قریب موجود تھا۔ جو کہ نوگوز ایریا ہے اور جب جنرل ٹی اس سے پوچھ گچھ کر رہا تھا تو اس نے انہیں اپنی پراسرار ماورائی قوتوں کے حصار میں لے لیا تھا کیونکہ وہ مکمل طور پر چانگ شی کے تابع ہو گئے تھے اور انہوں نے نہ صرف چانگ شی کو چھوڑ دیا بلکہ اپنے ہی محکمے کے بے شمار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ چنانچہ کرنل ماؤ کے حکم پر جنرل ٹی کو شوٹ کرنا پڑا۔ بعد میں کرنل ماؤ بھی چانگ شی کے ہاتھوں مارا گیا۔“ — موٹو نے پوری تفصیل صفدر اور جولیہ کے گوش گزار کرتے ہوئے کہا اور اس کی باتیں سن کر ان دونوں کے چہروں پر سخت تشویش کے گہرے آثار پھلتے چلے گئے تھے۔

”میرے خیال میں چانگ شی اور ڈریگن کا سراغ ہم ضرور لگا لیں گے مگر پہلے عمران صاحب سے رابطہ کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ یہاں موجود ہیں تو ہمارا مشن تیزی سے آگے بڑھے گا۔“ — صفدر نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ چنانچہ موٹو اس کے کہنے پر ٹیلی فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے فون کا رسیور اٹھایا اور نمبر پر پریس کرنے لگا۔ دوسری طرف ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی رہی مگر کسی نے فون نہیں اٹھایا۔ اس کا مطلب تھا کہ عمران وہاں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے کال ڈس کنکٹ کر کے عمران کے سیلولر فون کے نمبر پر پریس کئے مگر اس پر بھی

رابطہ نہ ہو سکا اور فون پر دوسری طرف کال نہ ملنے کی اطلاع کے الفاظ گونجنے لگے۔ موشو نے مایوسی سے رسیور رکھ دیا۔

”عمران صاحب اپنی قیام گاہ پر موجود نہیں اور حیرت ہے کہ ان کا سیلور فون بھی بند ہے۔“ موشو نے پریشان کن انداز میں انہیں بتایا اور اس کی بات سن کر صفدر اور جولیا بھی پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔

”میرا خیال ہے کہ ہمیں ان کی قیام گاہ میں جا کر معلوم کرنا چاہئے کہ معاملہ کیا ہے۔ اگر وہ وہاں موجود نہیں تو کم از کم ان کے سیلور فون پر تو رابطہ ہو جانا چاہئے تھا۔“ جولیا نے کہا اور صفدر نے اس کے مشورے کی تائید کی۔

”ٹھیک ہے۔ میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔“ موشو نے اپنی پی کیپ میز پر سے اٹھا کر اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا اور وہ تینوں باہر نکل کر پورچ میں آ گئے۔ موشو نے اپنی گاڑی نکالی اور وہ تینوں اس میں ڈیگ روڈ کی طرف روانہ ہو گئے جو زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ عمران واقعی بنگلے پر موجود نہیں تھا اور وہاں کسی قسم کی گڑبڑ کے بھی کوئی آثار نہیں تھے۔ یہ دیکھ کر ان کی تشویش میں مزید اضافہ ہو گیا۔

”میرا خیال ہے مسٹر عمران کسی اہم معاملے میں الجھ چکے ہیں۔ اسی لئے اب وہ رابطے اور فون اٹینڈ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔“ موشو نے متفکرانہ لہجے میں کہا۔

”میرے ذہن میں ایک چھوٹا سا پلان ہے مسٹر موشو۔ ہم ڈاکٹر ذیشان کو دوبارہ زندہ کریں گے۔“ صفدر نے پراسرار انداز میں

کہا اور موشو اس کی بات سن کر چونک اٹھا۔ جولیا کے چہرے پر بھی حیرت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

”آپ ڈاکٹر ذیشان کو دوبارہ زندہ کریں گے۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہے مسٹر صفدر۔ یہ معجزہ تو صرف خدا ہی دکھلا سکتا ہے۔“ موشو نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

”بلاشبہ یہ معجزہ خدا ہی دکھا سکتا ہے۔ لیکن ہم معجزہ نہیں بلکہ اپنا کرشمہ دکھائیں گے۔“ صفدر نے خفیف مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور پھر وہ سرگوشیاں انداز میں موشو کو اپنے پلان کی تفصیلات بتاتا چلا گیا اور اسے سن کر موشو کے چہرے پر جوش کے آثار نمودار ہوتے چلے گئے۔

آبدوز انتہائی تیز رفتاری سے سمندر کے اندر ہی اندر آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس کا رخ کلیویائی حدود کی طرف تھا۔ آبدوز کو ایک میرین کنٹرول کر رہا تھا جو ڈریگن کا خاص آدمی تھا اور ٹونکل کی ہدایت پر وہ پہلے سے پیکاٹنگ کے ساحل پر اپنے مخصوص پوائنٹ پر موجود تھا۔ اگرچہ ٹونکل کا مشن کامیاب ہوا تھا مگر عمران کی اچانک مداخلت نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا اور اس کا دایاں کندھا بھی شدید زخمی ہو گیا تھا۔ مگر آبدوز کے روانہ ہوتے ہی اس نے بینڈیج لگا کر زخم بند کر دیا اور فیاض کو اس نے آبدوز کے ایک مخصوص کیبن میں بند کر کے لاک کر دیا تھا۔ ڈریگن کے حکم کے مطابق اسے سپرنٹینڈنٹ فیاض کو اغواء کر کے کلیویا میں اس کے آسمانی مندر والے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچانا تھا۔ ڈریگن فیاض کو پاکیشیا انٹیلی جنس کا ایک خاص ایجنٹ سمجھ رہا تھا اور وہ اسے قابو کر کے اس سے اپنی مرضی کے راز اگلوانا چاہتا تھا اور فیاض کی

بدقسمتی کہ وہ ڈریگن کی لیڈی فائٹر ٹونکل کی زلف گرہ گیر کا شکار ہو کر اس کے ہتھے چڑھ گیا۔ اس نے ٹونکل کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں خود ہی مدد فراہم کر دی تھی۔

عمران کی اچانک آمد سے اس کی امید ضرور بندھ گئی تھی اور وہ سمجھ رہا تھا کہ عمران ٹونکل کو قابو کر کے اسے اس کی قید سے آزاد کر دالے گا مگر فیاض کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور اب وہ آبدوز کے کیبن میں بند پڑا اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے جوش میں آ کر اس غیر معمولی کیس میں اپنی ٹانگ پھنسانے کا فیصلہ کیا تھا اور اب ٹانگ کے ساتھ ساتھ وہ پورے کا پورا اس میں پھنس چکا تھا۔ ٹونکل نے آبدوز میں موجود ہیوی رینج ٹرانسمیٹر پر ڈریگن سے رابطہ قائم کیا۔

”یس۔ ڈریگن انڈنگ فرام دس اینڈ۔ اوور۔“ ٹرانسمیٹر کا رابطہ قائم ہوتے ہی دوسری طرف سے ڈریگن کی پھنکارتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”ٹونکل کالنگ یو باس۔ آپ کے حکم کے مطابق میں نے پاکیشیا انٹیلی جنس کے سپرنٹینڈنٹ فیاض کو قابو کر لیا ہے اور اب آبدوز میں اسے کلیویا کی طرف لے جا رہی ہوں۔ لیکن آپ کے لئے ایک اور حیران کن اطلاع ہے باس۔ اوور۔“ ٹونکل نے مختصر رپورٹ ڈریگن کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

”حیران کن اطلاع۔ کیا مطلب ہے تمہارا۔ کیسی حیران کن اطلاع ہے تمہارے پاس۔ جلدی بتاؤ۔ اوور۔“ ڈریگن نے سنسناتی

ہوئی آواز میں کہا۔

”باس۔ پاکیشیا سیکرٹ سروس کا سیکرٹ ایجنٹ علی عمران کاشین میں موجود ہے۔ میں یہ اطلاع آپ کو دینا چاہتی تھی۔ اور۔“ ٹوٹکل نے پر تشویش لہجے میں جواب دیا۔

”عمران۔ اور یہاں کاشین میں۔ لیکن عمران کو تو مادام فاشا نے پاکیشیا میں اس قدر زخمی کر دیا تھا کہ وہ ہسپتال کے بستر سے اٹھنے کے قابل ہی نہ تھا۔ تم نے کہیں کوئی خواب تو نہیں دیکھا ہے۔ اور۔“ ڈریگن نے غضب آلود لہجے میں کہا۔

”ہرگز نہیں باس۔ آپ خواب کی بات کر رہے ہیں۔ عمران تو باقاعدہ ساحل سمندر پر مجھ سے ٹکرایا ہے اور اس جھڑپ کے نتیجے میں میرا دایاں کندھا بھی بری طرح زخمی ہوا ہے۔ اور۔“ ٹوٹکل نے پر یقین لہجے میں ڈریگن کو آگاہ کیا۔

”حیرت ہے۔ وہ انسان ہے یا چھلاوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ کلیویا کا ڈیفنس فوسٹر اس کے بارے میں ٹھیک ہی کہتا تھا۔ وہ آفت کا پرکالہ تیسرے ہی دن ہسپتال سے نکل کر یہاں ہمارے مقابلے میں خم ٹھونک کر نمودار ہو گیا ہے۔ چونکہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اس لئے یہ کام بھی تمہارے سپرد ہے۔ اور۔“ ڈریگن نے کہا۔

”کیا عمران کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اور۔“ ٹوٹکل نے زہریلے انداز میں پوچھا۔

”انجام تو اس کا موت ہی ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ عمران کو

زندہ گرفتار کر کے میرے آسمانی محل کے خفیہ لاک اپ میں بند کر دیا جائے اور۔“ ڈریگن نے نہایت جذباتی انداز میں اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے باس۔ عمران کو زندہ گرفتار کیا جائے گا۔ لیکن یہ مجھ اکیلی کے بس کا روگ نہیں ہے۔ عمران واقعی چھلاوہ ہے۔ اسے زندہ پکڑنے کے لئے مجھے کسی اور کی بھی ضرورت ہے۔ اور۔“ ٹوٹکل نے جلدی سے کہا۔

”میں جانتا ہوں۔ تم میری بات غور سے سنو۔ ریڈ آرمی کے لوگ ایک گن شپ ہیلی کاپٹر کے ساتھ وہیں ساحل سمندر کے قریب موجود ہیں۔ ان کے چیف زوجا کی ٹرانسمیٹر فریکوئنسی تمہارے پاس موجود ہو گی۔ چنانچہ اس سے رابطہ کر کے عمران کی گرفتاری کا حکم دو میری طرف سے۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ اس لئے میں لمبی بات چیت نہیں کر سکتا۔ یہ کام اب تمہارے سپرد ہے اور ریڈ آرمی اسکوڈ تمہارے انڈر ہے۔ اور اینڈ آل۔“ ڈریگن نے حتمی لہجے میں جواب دیا اور پھر دوسری طرف سے ٹرانسمیٹر کا رابطہ منقطع کر دیا۔

ڈریگن سے بات کرنے کے بعد ٹوٹکل نے ٹرانسمیٹر پر ریڈ آرمی کے چیف زوجا سے رابطہ کرنے کے لئے اس کی فریکوئنسی سیٹ کرنا شروع کر دی اور واقعی زوجا اپنے مسلح کمانڈوز کے ہمراہ اسی مقام پر موجود تھا جہاں ٹوٹکل اور عمران کی ساحل سمندر پر جھڑپ ہوئی تھی۔

”زوجا اینڈنگ فرام دس اینڈ۔ اور۔“ ٹرانسمیٹر کا رابطہ قائم

ہوتے ہی دوسری طرف سے زوجہ کی بھاری بھر کم اور پھٹی ہوئی سی آواز سنائی دی۔

”مادام ٹونکل کالنگ یو زوجہ۔ کیا تم اپنے مخصوص پوائنٹ پر موجود ہو۔ اور“۔ ٹونکل نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

”یس مادام۔ ہم اپنے مخصوص پوائنٹ پر ہی ہیں اور چیف کے حکم کے مطابق آپ کے سگنل کا انتظار کر رہے تھے۔ کیا حکم ہے مادام۔“ دوسری طرف سے زوجہ کی مؤدبانہ آواز سنائی دی۔

”عمران نامی شخص کو زندہ گرفتار کرنا ہے۔ وہ اس وقت تمہارے مخصوص پوائنٹ کے قریب ہی موجود ہوگا۔ اس نے بلیک کلر کا ٹوپیں سوٹ پہن رکھا ہے۔ اس پر فوراً ایک کرو۔ لیکن باس کی ہدایت کے مطابق اسے زندہ گرفتار کرنا ہے۔ اور۔“۔ مادام ٹونکل نے اسے ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

”یس مادام۔ ایسا ہی کیا جائے گا۔ اور۔“۔ زوجہ نے مؤدبانہ لہجے میں جواب دیا۔

”اور عمران کی گرفتاری کے بعد فوراً ٹرانسمیٹر پر مجھ سے رابطہ کرو۔ میں جزیرہ آداری پر آبدوز میں تمہارا انتظار کروں گی۔ اوکے۔ اور۔“۔ مادام ٹونکل نے مزید ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

”اوکے مادام۔ آپ کی ہدایات پر پوری طرح عمل کیا جائے گا۔ عمران کو ہم ہر صورت میں گرفتار کر لیں گے۔ اور۔“۔ زوجہ نے پر جوش لہجے میں جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ میں تمہاری کامیابی کی خبر سننے کی منتظر رہوں گی۔ اور اینڈ آل۔“۔ مادام ٹونکل نے بھی پر جوش لہجے میں کہا اور پھر ٹرانسمیٹر کا رابطہ منقطع کر دیا گیا۔

عمران ویران اور سنسان ساحل سمندر پر قدرے پریشانی کی حالت میں کھڑا تھا۔ مادام ٹونکل کی فائرنگ سے نہ صرف اس کی کار کی دہڑا اسکرین ٹوٹ چکی تھی بلکہ باڈی میں بھی سوراخ ہو چکے تھے اور اس کے اگلے دونوں ٹائر برسٹ ہو چکے تھے۔ ٹونکل کی اپنی کار بھی بیکار ہو چکی تھی کیونکہ اس میں فیول ہی ختم تھا۔ اور اب عمران بے یار و مددگار ویران و سنسان ساحل سمندر پر کھڑا تھا جہاں ٹریفک کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پہلے عمران نے سوچا کہ وہ سیلولر فون پر کاشین سیکرٹ سروس کے چیف موشو سے رابطہ کر کے اپنے لئے مدد طلب کرے لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ کچھ فاصلے تک وہ پیدل ہی سفر کرے گا اور اس کے بعد ہو سکتا ہے اسے کوئی سواری میسر آجائے۔ چنانچہ یہ سوچ کر عمران پیدل واپس روانہ ہو گیا۔ ابھی اس نے بمشکل ایک فرلانگ کا فاصلہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ اچانک اس کے دائیں جانب جھاڑیوں میں زبردست سرسراہٹ پیدا ہوئی۔ عمران چونک کر رک گیا اور عقابی نظروں سے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا۔ چند ہی لمحوں میں اس کے دائیں اور بائیں سمت کی جھاڑیوں کے اندر سے چند گوریلا کمانڈوز یک لخت نمودار ہوئے اور انہوں نے عمران کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں۔

”ہینڈ زاپ۔ خبردار۔ اگر کوئی حرکت کی تو بھون کر رکھ دیں گے۔“
ایک گوریلا کمانڈو نے تیزی سے عمران کی طرف بڑھتے ہوئے انتہائی
کریخت لہجے میں کہا۔ ان سب کے چہروں پر سیاہ رنگ کی دھاریاں بنی
ہوئی تھیں۔ عمران چونک کر اپنی جگہ پر ساکت کھڑا رہ گیا۔

”گھٹنے زمین پر ٹیک دو۔ سر جھکا لو۔ اور ہاتھ پشت پر لے جاؤ۔
ہری اپ۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ اور یاد رکھو۔ کوئی غلط
حرکت تمہیں موت کے کنوئیں میں دھکیل دے گی۔“ — گوریلا کمانڈو
نے غراتے ہوئے کہا۔ عمران کے چہرے پر گہری تشویش کے آثار نظر
آنے لگے۔ مگر پھر اس نے بلا چوں و چراں اس کے حکم کی تعمیل کی۔
عمران کے زمین پر جھکتے ہی اس کمانڈو نے اپنی جیکٹ میں سے ایک
ہتھکڑی نکالی اور عمران کے ہاتھوں میں پہنانے کے لئے تھوڑا سا جھکا
ہی تھا کہ اچانک عمران کے دائیں بازو کی کہنی زانے کے ساتھ اس
کے پیٹ میں لگی اور وہ زخمی بھینسے کی طرح ڈکراتا ہوا دہرا ہوتا چلا گیا۔
عمران ایک سیکنڈ کے دسویں حصے میں تیزی سے اچھلا اور کسی بگولے کی
مانند اس پر جھپٹ پڑا۔ اگلے لمحے اس کی اسٹین گن عمران کے قبضے میں
تھی اور وہ کمانڈو اسٹین گن کی نال کی زد میں تھا۔ دیگر کمانڈو عمران کی
اس حیرت انگیز پھرتی پر بھونچکے رہ گئے۔

”خبردار۔ سب اپنی اسٹین گنیں زمین پر پھینک دو اور دس قدم پیچھے
ہٹ جاؤ۔ کسی ایک نے بھی حکم عدولی کی تو میں اس کی کھوپڑی میں
بارود بھر دوں گا۔ ہری اپ۔“ — عمران نے غراتے ہوئے کہا۔

لیکن اس سے پہلے کہ وہ عمران کے حکم پر عمل کرتے۔ اچانک ان کے
عقب سے ایک گن شپ ہیلی کاپٹر تیزی سے فضا میں بلند ہوا۔ عمران
بوکھلا کر اس کی طرف متوجہ ہوا مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی ایکشن لیتا
ہیلی کاپٹر پر سے یکے بعد دیگرے کئی اسموگنگ بم گرائے گئے اور ہر
طرف گاڑھا کثیف سیاہ دھواں پھیلتا چلا گیا۔ عین اسی لمحے زمین پر
گرے ہوئے کمانڈو نے ہائی جمپ لیا اور اس کی فلائنگ سکک عمران
کے سینے پر پڑی اور عمران اچھل کر کئی فٹ دور جا گرا۔ اسٹین گن اس
کے ہاتھ سے نکل گئی۔

عمران کی آنکھیں دیکھنے سے معذور ہو گئی تھیں۔ ہر طرف سیاہ
دھوئیں کے بادل منڈلا رہے تھے۔ اسی لمحے عمران پر ایک آہنی تاروں
والا جال گرا اور وہ اس میں بری طرح پھنس کر رہ گیا۔ پھر یہ جال تیزی
سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔ چند لمحے بعد وہ ہیلی کاپٹر کے اندر موجود تھا جہاں
مزید کمانڈوز موجود تھے۔ ان کا چیف زوجا زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ
عمران کی طرف بڑھا اور اس نے آہنی جال میں جکڑے ہوئے عمران
کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ عمران اب پوری طرح بے بس ہو
چکا تھا۔ زوجا گن شپ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کی طرف مڑ گیا۔

”ہیلی کاپٹر کا رخ آداری جزیرے کی طرف موڑ دو۔“ — زوجا
نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور ہیلی کاپٹر تیزی سے مڑ کر سمندر کے اوپر
اڑنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک چھوٹے سے جزیرے کے ساحل پر اتر
گیا۔ وہاں ایک آبدوز پہلے سے کھڑی تھی اور آبدوز کے قریب ہی

ڈریگن اور چانگ شی زرد محل کے ایک چھوٹے سے کمپیوٹر روم میں بیٹھے تھے جو طرح طرح کے چھوٹے بڑے کمپیوٹرز سے بھرا ہوا تھا۔ ڈریگن بھی ان کے قریب ہی موجود تھا۔ اور وہ تینوں ہی مختلف کمپیوٹروں کے استعمال کی کافی مہارت رکھتے تھے۔ وہ ہلک آئی ڈسک اچھی طرح چیک کر چکے تھے۔ ڈریگن نے خاص طور پر ہر چیز نوٹ کی تھی کہ کمپیوٹر میں موجود معلومات اصلی ہیں یا نقلی۔ مگر وہ سب اصلی تھیں۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ بالکل اصلی ڈسک حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ڈریگن نے ان تمام معلومات کو اپنے آن لائن سسٹم کے ذریعے کلیو یا میں اپنے ذاتی کمپیوٹر میں ٹرانسفر کر دیا اور اب وہ بیکو۔ ون پراجیکٹ پلانٹ سے گرین گلوب سپر راکٹ کے حصول کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔ ان کے سامنے رکھائی وی سیٹ آن تھا۔ اچانک اس پر بریکنگ نیوز چلنے لگیں۔

مادام ٹونکل بھی موجود تھی۔ ہیلی کاپٹر کے زمین پر لینڈ کرتے ہی زوگا نے اپنی جال سمیت عمران کو ہیلی کاپٹر سے نیچے دھکیل دیا۔ مادام ٹونکل طمطراق سے عمران کی طرف بڑھی۔

”ویکم مسٹر علی عمران۔ تم ہمارے خاص مہمان ہو۔ اب تمہاری ملاقات آسمانی محل میں ڈریگن سے کروائی جائے گی۔“ — مادام ٹونکل نے طنزیہ لہجے میں کہا اور پھر مادام ٹونکل کے حکم پر زوگا نے عمران کو جال سمیت اٹھایا اور آبدوز میں لے گیا اور اسے فیاض والے کیبن میں بند کر دیا گیا۔ پھر آبدوز سمندر کی گہرائی میں اتر کر کلیو یا کی طرف مڑ گئی۔

”ہیکو۔ دن پلانٹ کے نئے ڈائریکٹر ڈاکٹر ذیشان جو رات کو اچانک موت کا شکار ہو گئے تھے۔ پوسٹ مارٹم کے دوران یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ وہ فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں۔ ان کے پیچھے پڑوں میں ایک نامعلوم قسم کی زہریلی گیس موجود تھی جس کی وجہ سے ان کی سانس اور دل کی دھڑکن رکی ہوئی تھی جس کی وجہ سے بظاہر مردہ نظر آ رہے تھے مگر وہ زندہ تھے۔ چنانچہ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے فوری طور پر انہیں ٹریمنٹ دے کر حالت غیر سے نکال لیا اور اب کہا جا رہا ہے کہ ڈاکٹر ذیشان مکمل طور پر نارمل اور صحت یاب ہیں مگر ان کے اعصاب سخت کشیدہ ہیں اور ڈاکٹر کی رائے پر انہیں ایک آپیشل فلائٹ کے ذریعے فوری طور پر پاکیشیا بھیجا جا رہا ہے۔ آج دو بجے انہیں کاشمین کے پیکاٹک آرمی ایئر بیس سے فضائیہ کے ایک خصوصی طیارے میں پاکیشیا روانہ کر دیا جائے گا۔“ نیوز کاسٹرز نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا اور یہ حیران کن خبر سن کر ڈریگن کے ساتھ ساتھ چانگ شی اور زونگ بھی سناٹے میں رہ گئے۔

”تم بتا رہے تھے کہ تم نے ڈاکٹر ذیشان کو اپنے ٹیلی ہسپتال اور ہینائزم کے حصار میں لے لیا ہے۔ مگر وہ زندہ کیسے بچ گیا۔ میری زہریلی گیس کبھی مخالف کو زندہ نہیں رہنے دیتی۔ میرے خیال میں تمہارا پراسرار مادرائی قوتوں کا حصار ناکام تھا۔ اسی لئے میری زہریلی گیس بھی اثر نہیں کر پائی اور وہ زندہ بچ گیا۔“ ڈریگن نے کینہ توڑ نظروں سے چانگ شی کو گھورتے ہوئے کہا۔ غصے اور طیش سے اس کے جسم کا

رواں رواں پھڑکنے لگا تھا۔

”مم۔ میں تو اس سے ابھی ملا بھی نہیں باس۔ آپ نے خود تو مجھے اس سے ملنے سے روک دیا تھا اور میری جگہ آپ اس سے ملنے گئے تھے۔ مجھے شک ہو رہا ہے کہ کہیں یہ دشمن کی کوئی چال نہ ہو۔ وہ ہمارے خلاف کوئی جال نہ پھیلا رہے ہوں۔“ چانگ شی نے گہری تشویش میں مبتلا لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے گہرے آثار تھے۔

”اور اس کی بات سن کر ڈریگن چونک پڑا۔ واقعی چانگ شی نے اسے ابھی اپنے ٹرانس میں لیا ہی نہیں تھا۔ میرے خیال میں ہمارا پلان ناکام ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر ذیشان زندہ ہے اور اب اسے پاکیشیا بھیجا جا رہا ہے۔ یہ ہمارے لئے خطرے کی گھنٹی ہے۔ ہو سکتا ہے اس کے پاس کچھ ایسے ٹیکنیکل راز ہوں جس سے وہ گرین گلوب راکٹ کو بیکار کر دے۔“ ڈریگن کے لہجے میں تشویش اور فکر مندی نمایاں طور پر شامل تھی۔

”ہم ڈاکٹر ذیشان کا راستہ روک سکتے ہیں باس۔ ہم اسے پاکیشیا پہنچنے ہی نہیں دیں گے۔“ چانگ شی نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

”یہی میں سوچ رہا ہوں کہ فوراً کچھ کیا جائے۔ لیکن ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ مجھے گرین گلوب راکٹ کے لئے جلد از جلد ہیکو۔ دن سپیس پلانٹ میں داخل ہونا ہے ورنہ پھر سب کچھ دھڑے کا دھارا رہ جائے گا۔“ ڈریگن نے متفکر لہجے میں کہا۔ پھر چند لمحے

سوچنے کے بعد وہ دوبارہ چانگ شی سے بولا۔

”اب ایک ہی راستہ باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ تم یہ آپریشن خود کرو۔ جیسے بھی ہو ڈاکٹر ذیشان کو آرمی ایئر میں سے اغوا کر کے اسے ساحل سمندر پر پوائنٹ تھری پر پہنچاؤ۔ وہاں ہماری ایک میرین آبدوز پہلے سے تیار کھڑی ہے۔ میں پکیو۔ون پلانٹ سے گرین گلوب راکٹ حاصل کر کے خود بھی سیدھا وہاں پہنچوں گا۔ اور پھر وہاں سے ہم آبدوز میں کلیویا کی طرف نکل جائیں گے۔“ ڈریگن نے اپنے اس نئے پلان پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے ہاس۔ یہ ایک شاندار پلان ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں اس میں سو فیصد کامیاب رہوں گا۔ میں ہر حال میں ڈاکٹر ذیشان کو لے آؤں گا۔“ چانگ شی نے پورے یقین سے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم فوری طور پر اس نئے مشن پر روانہ ہو جاؤ۔ وقت بہت ہی کم ہے۔ دو بجے آرمی کا طیارہ اسے لے کر پاکیشیا روانہ ہونے والا ہے۔ لہذا اس سے پہلے پہلے تمہیں اپنا آپریشن مکمل کرنا ہے۔“ ڈریگن نے تیز لہجے میں کہا۔ چنانچہ چانگ شی فوراً اٹھ کر کھڑا ہوا اور ایک بلٹ پروف گاڑی میں وہاں سے کاشین آرمی ایئر میں کی طرف روانہ ہو گیا۔

چانگ شی کے جانے کے بعد ڈریگن، زونگ سے اپنے مشن کی تفصیلات طے کرنے لگا۔

”تم ڈیزرٹ روڈ کے موڑ پر اپنی بکتر بند گاڑی میں تیار رہو گے۔ میں پکیو۔ون سپیس پلانٹ کی طرف اکیلا جاؤں گا۔ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے میں اپنا آپریشن مکمل کر کے گرین گلوب راکٹ وہاں سے لے آؤں گا۔ اور پھر تمہارنی بکتر بند گاڑی میں ہم خفیہ راستوں سے ساحل سمندر کی طرف پوائنٹ تھری پر پہنچیں گے۔ وہاں سے میں اور چانگ شی آبدوز میں کلیویا کی طرف روانہ ہو جائیں گے اور تم واپس آ جانا۔“ ڈریگن نے مختصراً اپنے منصوبے سے زونگ کو آگاہ کرتے ہوئے کہا اور اس نے فوراً ڈریگن کی تائید کی۔

چنانچہ اپنے مقررہ وقت پر ڈریگن اور زونگ زرد محل سے الگ الگ بکتر بند گاڑیوں میں نکلے۔ پہاڑی سے نیچے آ کر زونگ نے ڈیزرٹ روڈ کے موڑ پر اپنی گاڑی چٹانوں کے عقب میں ایک پوشیدہ جگہ پر روک دی جبکہ ڈریگن نے اپنی گاڑی ڈیزرٹ روڈ پر ڈال دی۔ وہ پوری تیز رفتاری سے صحرائے گوچی میں واقع پکیو۔ون پلانٹ کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے اس نازک ترین آپریشن کے لئے خود کو پوری طرح تیار کر لیا تھا۔ ڈیزرٹ روڈ کی پہلی چیک پوسٹ پر سکیورٹی کے انتہائی سخت انتظامات تھے۔ جونہی ڈریگن چیک پوسٹ کے قریب پہنچا۔ اسے ریڈ سگنل کے ذریعے رکنے کا کہا جانے لگا مگر ڈریگن نے پہلے سے طے کر رکھا تھا کہ وہ کہیں نہیں رکے گا اور اپنا آپریشن مکمل کر لے گا۔

سکیورٹی چیک پوسٹ پر ایسی آہنی رکاوٹیں لگائی گئی تھیں کہ ڈریگن کا بکتر بند گاڑی سمیت وہاں سے گزر جانا ممکن ہی نہیں تھا۔ چنانچہ

ڈریگن نے گرینڈ روڈ کی سائیڈ کا آہنی جنگ توڑتے ہوئے اپنی بکتر بند گاڑی سڑک سے نیچے اتار لی اور کھیتوں میں دوڑاتا چلا گیا۔ چیک پوسٹ پر تعینات گارڈز فوراً الرٹ ہو گئے۔ انہوں نے ڈریگن کی گاڑی پر بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی۔ مگر ڈریگن کی گاڑی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر ڈریگن نے سڑک کی سائیڈ کا آہنی جنگ پھرتوڑا اور ڈیزل روڈ پر چڑھ آیا۔ سکیورٹی والوں کی دو گاڑیاں تیزی سے اس کے تعاقب میں آ گئیں۔ مگر ڈریگن کو ان کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔

”اپنی گاڑی روک دو۔ ورنہ ہم مارٹر گولے پھینک کر تمہیں گاڑی سمیت اڑا کر رکھ دیں گے۔ تم بچ کر نہیں جا سکتے۔“ تعاقب میں آنے والی سکیورٹی گارڈز کی جھپوں سے میگافون پر وارننگ دی جانے لگی۔ مگر ڈریگن پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس نے اپنی بکتر بند گاڑی کے ڈیش بورڈ پر لگے سوئچ بورڈ پر ایک سرخ بٹن پیش کیا تو گاڑی کے عقبی حصے سے دو راکٹ نکلے اور فشو کی تیز آواز کے ساتھ سیدھے تعاقب میں آتی سکیورٹی والوں کی جھپوں سے جا ٹکرائے۔ ہولناک دھماکوں کے ساتھ دونوں جھپیں آگ کے مرغولوں میں لپٹ کر کئی فٹ کی بلندی تک اچھلتی چلی گئیں اور پھر دھڑا دھڑ جلتی ہوئیں دھڑام سے واپس سڑک پر آ گئیں۔ تمام سکیورٹی گارڈ جھپوں سمیت جل کر کوئلہ بن گئے۔

ڈریگن نے پیچھے دیکھنا گوارا نہ کیا اور اپنی بکتر بند گاڑی کو فل سپیڈ

سے بھگاتا چلا گیا۔ جلد ہی وہ پیکو۔ون پلانٹ کے قریب پہنچ گیا۔ یہ ایک حساس ترین اور نوگوار یا تھا اور یہاں پر سکیورٹی انتہائی سخت تھی۔ مگر ڈریگن کسی بھی سکیورٹی رکاوٹ کو خاطر میں لانے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس نے اپنی بکتر بند گاڑی کو ایک محفوظ جگہ ریتلے ٹیلوں کے درمیان پوشیدہ کر دیا اور پھر نیچے اتر کر پیدل ہی پیکو۔ون کی طرف دوڑنے لگا۔ اس وقت تک پلانٹ کی پوری سکیورٹی متحرک ہو چکی تھی۔ ہر طرف سے مسلح سکیورٹی گارڈز اُبلے پڑ رہے تھے اور فضا میں کئی گن شپ ہیلی کاپٹر گردش کرنے لگے۔

پیکو۔ون کے داخلی گیٹ پر انتہائی حساس سکیورٹی تعینات تھی۔ ایک طویل کورڈ سڑک داخلی گیٹ سے پلانٹ کی مرکزی عمارت تک چلی جاتی تھی۔ بلیک آئی ڈسک کی مدد سے ڈریگن پورے پلانٹ کے نقشے کو اپنے دماغ پر نقش کر چکا تھا۔ یہی اس کا پلس پوائنٹ تھا جس کی بناء پر وہ بلا خوف و خطر وہاں گھستا چلا جا رہا تھا۔ وہ بخوبی جان چکا تھا کہ پلانٹ میں داخلے اور وہاں سے نکلنے کے کئی خفیہ راستے بھی موجود ہیں۔

پلانٹ کے مرکزی گیٹ پر پہنچتے ہی بغیر کسی وارننگ کے ڈریگن پر بے تحاشا فائرنگ شروع کر دی گئی۔ مگر گولیاں ڈریگن کے جسم سے ٹکرانے کے بعد بیکار ہو کر ادھر ادھر بکھرتی چلی گئیں۔ ڈریگن کی جسمانی ساخت ایسی مافوق الفطرت تھی کہ کسی قسم کا اسلحہ ہارود اور ہتھیار اس پر کارگر نہ ہو سکتا تھا۔ وہ دیوانہ وار بھاگتا ہوا مرکزی گیٹ کر اس کر

گیا اور وہاں اس نے سکیورٹی گارڈز سے کئی مشین گنیں چھین کر اپنے کندھوں سے لٹکالی تھیں۔ اگلے ہی لمحے وہ سکیورٹی گارڈز پر مشین گن سے گولیوں کی بارش برساتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ ہر طرف دلدوز چیخیں گونجنے لگیں۔ اور ڈریگن کسی روپوٹ کی مانند بغیر رکے آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔

آخر کار ڈریگن پیکو۔ون پلانٹ کی مرکزی عمارت کے اندر گھسنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے ہر رکاوٹ کو اڑا کر رکھ دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے ناقابل تسخیر تصور کی جانے والی سکیورٹی رکاوٹیں بھی مسمار کر دی تھیں۔ پلانٹ کی عمارت کے اندر بھی ڈریگن پر ہینڈ گرنیڈز، مارٹر گولے وغیرہ داغے جا رہے تھے۔ لیکن ڈریگن کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچ رہا تھا البتہ اس کے برعکس وہ ہر طرف لاشوں کے ڈھیر لگاتا چلا جا رہا تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اپنا آپریشن جاری رکھے ہوئے تھا۔ فضا میں پلانٹ کی حفاظت کے لئے کئی گن شپ ہیلی کاپٹر گردش کر رہے تھے۔ مگر ان پر سے ایک نہیں کیا جاسکتا تھا کیونکہ پورے پلانٹ کو میزائل پروف کیا گیا تھا لہذا کسی قسم کا فضائی حملہ بیکار تھا۔

پیکو۔ون پلانٹ کے اندر گھستے ہی ڈریگن نے اپنے کندھوں پر آویزاں دیونیکل قسم کے پرکھول دیئے اور پھر کسی شیر جھمی جسامت والے عقاب کی طرح تیزی سے اڑتا ہوا پلانٹ کے جنوب مشرقی کونے کی طرف جانے لگا جہاں ٹرینل ٹو میں گرین گلوب راکٹ موجود تھا۔ کوئی اسے روکنے والا نہیں تھا۔ اس نے ہر رکاوٹ کو اڑا کر رکھ دیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں ڈریگن ٹرینل ٹو کی عمارت میں داخل ہو چکا تھا۔ وہاں ایک وسیع و عریض شیشے کے کیبن میں گرین گلوب راکٹ اپنے لانچر پر نصب تھا۔ ڈریگن نے اپنے منہ سے آگ کے تیز مرغولے پھینکے تو شیشے کا وسیع کیبن پانی کی مانند پھل کر رہ گیا۔ اگلے لمحے ڈریگن نے حیرت ناک انداز میں گرین گلوب راکٹ اس کے لانچنگ پیڈ پر سے اتار کر اپنی کمر پر بیلٹوں سے باندھ لیا۔ اتنی دیر میں بے شمار مسلح سکیورٹی گارڈز بھی ڈریگن کے پیچھے ٹرینل ٹو کی عمارت میں آ گھسے تھے مگر ڈریگن کے پاس گرین گلوب راکٹ دیکھ کر ان کی ہمت جواب دے گئی اور ان کے بڑھتے قدم یک لخت رک گئے۔ کیونکہ ڈریگن پر فائرنگ کا مطلب تھا گرین گلوب راکٹ کی تباہی۔ ڈریگن تیزی سے ٹرینل ٹو سے باہر آ گیا۔ ہر طرف لاشوں کے ڈھیر لگے تھے اور آگ ہی آگ پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف خطرے کے تیز سائرن کانوں کے پردے پھاڑے دے رہے تھے۔

ڈریگن نے اب کسی عقاب کی مانند ہوا میں اڑنا شروع کر دیا تھا۔ گرین گلوب راکٹ اس کی پشت پر تھا۔ اسی حالت میں وہ کبھی زمین پر پاؤں ٹکاتا اور پھر ہوا میں جمپ لیتا ہوا وہ پیکو۔ون پلانٹ سے باہر آ گیا اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ ڈیزرٹ روڈ کے اس مقام پر پہنچ چکا تھا جہاں زونگ پہلے سے بکتر بند گاڑی میں موجود تھا۔ ڈریگن کو دیکھ کر وہ تیزی سے اپنی گاڑی روڈ پر لے آیا۔ ڈریگن نے گرین گلوب راکٹ گاڑی کے عقبی حصے میں ڈالا اور خود اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ان کے پیچھے

ڈریگن خوشی سے پھولا نہیں سارا ہوا تھا۔ وہ آبدوز میں کلیو یا جانے کی بجائے دوبارہ اپنے آسانی محل میں آ گیا تھا اور اس وقت اس محل کے ایک تہہ خانے میں تھا۔ چانگ شی اور ڈاکٹر ذیشان بھی اس کے ہمراہ تھے۔ ڈریگن کی دانست میں چانگ شی نہایت کامیابی سے ڈاکٹر ذیشان کو لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ حالانکہ ڈاکٹر ذیشان کے روپ میں تنویر تھا اور چانگ شی کی جگہ صفر لے چکا تھا۔ مگر ڈریگن اس نکایا پلٹ سے بالکل بے خبر تھا۔ وہ جس تہہ خانے میں داخل ہوا تھا وہاں عمران اور فیاض پہلے سے قید تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں آہنی جھکڑیاں تھیں اور ڈریگن اپنے دشمنوں کو وہاں دیکھ کر خوشی سے پھولا نہیں سارا ہوا تھا۔

”ہائے عمران۔ کیسے ہو تم۔“ ڈریگن کے لہجے میں گہرے طنز کی آمیزش تھی۔

پیکو۔ ون پلانٹ کی طرف سے سکیورٹی کی بیسیوں گاڑیاں دندناتی چلی آ رہی تھیں مگر وہ ان کی پہنچ سے بہت دور تھے۔

زوئنگ نے پوری رفتار سے گاڑی ڈیزرٹ روڈ پر بھگا دی۔ تھوڑی دور جانے کے بعد وہ خفیہ راستوں پر مڑ چکے تھے اور پیکو ون کی گاڑیاں بہت پیچھے نہ جانے کہاں رہ گئی تھیں۔ ساحل سمندر پر پوائنٹ تھری کے خفیہ مقام پر ڈریگن کی آبدوز تیار کھڑی تھی۔ اس نے گرین گلوب راکٹ آبدوز کے حفاظتی کیبن میں رکھ دیا۔ کچھ ہی دیر میں چانگ شی بھی وہاں پہنچ گیا۔ وہ ڈاکٹر ذیشان کو لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر ذیشان چانگ شی کی گاڑی کی ڈگی میں پڑا تھا۔ ڈریگن نے خوش ہو کر چانگ شی کو تھپکی دی۔ اور پھر ڈاکٹر ذیشان کو بھی آبدوز میں ڈال دیا گیا۔ کچھ ہی لمحوں بعد آبدوز ان سب کو لے کر سمندر کی گہرائی میں اترتی چلی گئی۔ زوئنگ ڈریگن کے جانے کے بعد اپنے ٹھکانے کی طرف واپس روانہ ہو گیا۔

”تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کان کھول کر سن لو تم۔ دنیا کا کوئی ہتھیار مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“ ڈریگن نے پھنکارتی ہوئی آواز میں کہا۔

”جانتے ہیں ہم۔ تمہارا چانگ شی سب بتا چکا ہے۔ یہ بھی کہ تمہاری آنکھ میں اگر پٹاخہ بھی لگ جائے تو تم ایک دھماکے سے اڑ جاؤ گے اور پختہ نشانے بازی میں کوئی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چلو۔ اب خاموشی سے آگے چلو۔“ صفدر نے اسے باہر کی طرف دھکیلتے ہوئے سرد لہجے میں کہا اور ڈریگن اپنی کمزوری کا راز فاش ہونے پر اب خاموشی سے ان کے آگے چلنے لگا۔ وہ ڈریگن کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے باہر نکلے اور زینوں کی طرف بڑھنے لگے۔ عمران اور فیاض قدرے پیچھے تھے کیونکہ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ زینے طے کر کے وہ ایک طویل ہال میں آ گئے۔ یہاں سے کئی راہداریاں مختلف سمتوں کو پھوٹ رہی تھیں۔ ڈریگن نے گرین گلوب راکٹ آسمانی محل کی چھت پر نصب کر رکھا تھا۔ صفدر پہلے ہی چھت پر پہنچنے کا راستہ تلاش کر چکا تھا۔ ہال میں بے شمار مسلح سکیورٹی گارڈ موجود تھے اور ڈریگن کو چانگ شی اور دیگر لوگوں کے زرخے میں یرغمال بنے دیکھ کر وہ بری طرح چونکے۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ سچویشن کا اندازہ لگاتے۔ صفدر نے ڈریگن کی گردن میں پستول کی نال گھسیڑ دی۔

”اپنے سکیورٹی گارڈز کو ہتھیار پھینکنے اور راستہ چھوڑ دینے کا حکم دو۔ ورنہ۔“ صفدر نے غراتے ہوئے کہا۔ چنانچہ ڈریگن نے بے بسی

کہا۔

”وہ ٹنگ چن سچ کہہ رہا تھا۔ یہ کارنامہ چانگ شی نے ہی سرانجام دیا ہے مگر وہ چانگ شی میں نہیں بلکہ تمہارا چانگ شی تھا جو اس وقت تاریک زندان میں پڑا ہے اور تمہارے سامنے میں کھڑا ہوں یعنی صفدر سعید۔ ایجنٹ فرام پاکیشیا سیکرٹ سروس۔“ صفدر نے سرد لہجے میں کہا۔ ڈریگن بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹا اور پھر وہ صفدر پر جھپٹا ڈالنا چاہتا تھا کہ ڈاکٹر ذیشان یعنی تنویر کا زوردار گھونسا اس کے جڑے پر لگا اور وہ الٹ کر دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کا سر ایک دھماکے سے دیوار کے ساتھ ٹکرایا تھا اور تکلیف سے ڈریگن کا منہ بگڑ گیا۔

”کوئی غلط حرکت نہیں ڈریگن۔ ورنہ تمہاری کھوپڑی اتنی انوکھی نہیں کہ اس میں چھ گولیاں نہ سما سکیں۔ خاموشی سے ہمارے آگے چلو اور اس جگہ لے جاؤ جہاں تم نے گرین گلوب راکٹ نصب کر رکھا ہے۔“ صفدر نے پستول کی نال اس کی کینٹھ سے لگاتے ہوئے جارحانہ انداز میں کہا۔ ڈریگن کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ جبکہ تنویر نے بھی اپنا ریوالور نکال کر اس کی طرف سیدھا کر لیا تھا۔

”تنویر۔ اس کی جیب سے چابیاں نکال کر عمران اور فیاض کی جھکڑیاں کھول دو۔“ صفدر نے تنویر کو ہدایت کی اور اس نے آگے بڑھ کر ڈریگن کی جیب سے چابیاں نکال لیں۔ دوسرے لمحے اس نے عمران اور فیاض کو اپنی جھکڑیوں سے آزاد کر دیا۔ یہی جھکڑیاں اس نے ڈریگن کے ہاتھوں میں فٹ کر دیں۔

محل کی چھت خاصی وسیع و عریض تھی اور اس کے ایک سمت ہیوی لائچر نصب کیا گیا تھا جس پر ڈریگن نے گرین گلوب راکٹ فکس کر رکھا تھا۔ صفدر اور تنویر ڈریگن کو راکٹ لائچر کی طرف دھکیلنے لگے۔ اس کے قریب پہنچ کر صفدر عمران کی طرف متوجہ ہوا۔

”عمران صاحب۔ یہاں سے ہم آپیشل ایئر کرافٹ میں نکلیں گے جو اس محل کی حدود سے باہر سپر ہائی وے پر کھڑا ہے۔ لیکن اس سے پہلے ڈریگن کا بندوبست کرنا بھی ضروری ہے اور گرین گلوب راکٹ کو بھی ضائع کرنا ہے۔ کیونکہ اسے ہم ساتھ نہیں لے جاسکتے۔“ صفدر نے کہا۔

”ان دونوں کا انتظام بیک وقت ہو سکتا ہے۔ ڈریگن کو گرین گلوب راکٹ بہت پسند ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ اسے اس کی پسندیدہ چیز تحفے میں دے دینی چاہئے۔ اب دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔“ عمران نے عجیب انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ اگلے لمحے عمران نے ڈریگن کو گردن سے دبوچ کر راکٹ کی طرف دھکیلا اور پھر اسے راکٹ کے ایٹمی وار ہیڈ لوڈ کرنے والے آہنی پائپوں پر لٹا کر اس کے ہیلٹ کس دیئے۔ اب ایٹم بم کی جگہ ڈریگن بذات خود راکٹ پر آن لوڈ ہو چکا تھا۔ عمران کا ارادہ جان کر ڈریگن پر کچکی طاری ہو گئی۔ اس کی خون برساتی آنکھوں میں موت کی مرونی چھا گئی۔ عمران ایٹم بم کی جگہ اسے راکٹ کے ذریعے خلاؤں میں فار کر دینا چاہتا تھا۔ اور اس خیال سے ہی ڈریگن کی جان نکلی جا رہی تھی کہ وہ لاکھوں میل دور ان دیکھی خلاؤں

سے اپنے سکیورٹی گارڈز کو ہتھیار پھینک کر ایک طرف ہٹ جانے کا حکم دیا۔ سکیورٹی گارڈز نے ہتھیار پھینک کر راستہ چھوڑ دیا۔ وہ سب تیزی سے ایک راہداری کی طرف بڑھنے لگے۔ فیاض نے پھرتی سے دواشین گئیں وہاں سے اٹھالی تھیں اور ایک اشین گن اس نے عمران کے حوالے کر دی۔ اب وہ راہداری سے گزر کر دوسرے زینوں کے پاس آگئے تھے جو ڈریگن کے آسمانی محل کی چھت پر جا رہے تھے۔ محل کی آڑ میں ڈریگن نے واقعی اپنا ایک محفوظ ہیڈ کوارٹر بنایا تھا۔ صفدر نے دانستہ زینوں کے راستے اوپر جانے کا فیصلہ کیا۔ لفٹ وہ اس لئے استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا کہ لفٹ میں سفر کے دوران ڈریگن کے آدمی کوئی گڑبڑ نہ کر دیں۔ زینوں کا راستہ محفوظ تھا۔

جونہی وہ آسمانی محل کی چھت پر پہنچے تو محل کے چاروں طرف سے زبردست فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں۔ یہ پاکیشیا سیکرٹ سروس کے ممبران جولیا، نعمانی، صدیقی، چوہان اور خاور تھے جو ایک آپیشل ایئر کرافٹ سے وہاں پہنچے تھے۔ ان کے ہمراہ کاشین سیکرٹ سروس کے گوریلا کمانڈوز بھی تھے اور انہوں نے آسمانی محل کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ فائرنگ کی آوازوں میں ہینڈ گرنیڈز اور مارٹر گولوں وغیرہ کے پھٹنے کی آوازیں بھی شامل ہوتی چلی جا رہی تھیں اور ڈریگن کے سکیورٹی گارڈز کے جسموں کے چپتھڑے فضا میں اڑ رہے تھے۔ ایکشن اس قدر تیز تھا کہ انہیں منہ بھلنے کے لئے ایک لمحہ بھی نہ مل سکا۔ ہر سمت آگ اور خون تھا۔

میں جا پہنچے گا۔ اچانک اس کے منہ سے آگ کے مرغولے چھوٹے لگے۔ عمران قریب ہی کھڑا تھا۔ آگ کے تیز مرغولے اس کے جسم اور چہرے پر پڑے۔ وہ قدرے جھلس کر پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا۔

”شیطان کی اولاد۔ مجھے کیوں جلا رہا ہے۔ میں تو تمہیں کسی پُر فضا مقام پر بھیجنے کا بندوبست کر رہا ہوں۔“ — عمران نے شپٹاتے ہوئے کہا اور باقی لوگ بے اختیار ہنسنے لگے۔ اسی لمحے عمران نے راکٹ لانچر کا فائرنگ بٹن پیش کر دیا۔ شوں کی تیز آواز کے ساتھ گرین گلوب راکٹ اپنے لانچنگ پیڈ سے الگ ہو گیا اور ہزاروں میل کی رفتار سے ڈریگن کو اپنے ہمراہ خلاؤں کی سمت لے گیا۔ ایک دو لمحے ڈریگن کی ہولناک چیخیں ان کے کانوں سے ٹکرائیں مگر پھر راکٹ کے ساتھ وہ بھی فضا میں مدغم ہو گئیں۔

آسمانی محل کے باہر سیکرٹ سروس اور ڈریگن کے بچے کچھ گارڈز میں معرکہ جاری تھا۔ لیکن ڈریگن کے غائب ہوتے ہی وہ بھی ہتھیار پھینک کر بھاگ نکلے۔ میدان صاف ہو چکا تھا۔ البتہ ہر طرف خون اور لاشوں کے چھتھرے بکھرے ہوئے تھے اور آگ دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے۔ وہ سب دوڑتے ہوئے محل کی چھت سے اتر کر باہر نکل آئے اور پھر کچھ دیر بعد وہ سپر ہائی وے پر کھڑے اپنے ایئر کرافٹ میں پہنچ چکے تھے جو ٹیک آف کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ اور چند لمحوں بعد وہ ہائی وے پر اپنی مخصوص رفتار سے دوڑتا ہوا فضا میں ٹیک آف کر گیا۔ سیکرٹ سروس کے ممبران عمران کے گرد جمع تھے۔ ان کے ہونٹوں

پر عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”واہ عمران صاحب۔ ہم تو آپ کو بر شیر سمجھ رہے تھے مگر آپ تو اندر سے ٹائیگر نکلے۔“ — صفدر نے شریر انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”کک۔ کیا مطلب۔ ٹائیگر۔“ — عمران نے بوکھلاہٹ زدہ انداز میں کہا اور پھر ایک طویل سانس لیتا ہوا وہ تیزی سے داش روم کی طرف لپکا۔ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر وہ بے ساختہ خود بھی مسکرانے لگا۔ ڈریگن کے منہ سے پھوٹنے والے آگ کے شعلوں نے اس کے چہرے کا میک اپ کھٹا دیا تھا اور اب وہ عمران کے بجائے سو فیصد ٹائیگر ہی تھا۔

ختم شد

عمران سیریز میں ایک یادگار اور منفرد کہانی



لیڈیز مشن

مصنف
مظہر کلیم ایم اے

لیڈیز مشن ایک ایسا مشن جس کی تکمیل کے لئے لیڈیز ایجنٹوں نے پاکیشیا پر
یورش کر دی۔ وہ مشن کیا تھا.....؟

جینی کو لینز ایک ایسی سیکرٹ ایجنٹ جس نے خود جو لیا اور اس کے ساتھیوں
سے مل کر اپنا تعارف کرایا اور.....؟

ور تھا ایک اور سپر ایجنٹ جو قتل و غارت میں اپنا ثانی نہ رکھتی تھی۔ وہ بھی
مشن کی تکمیل چاہتی تھی۔

ایک حیرت انگیز مقامی لڑکی جو اچانک ہی میدان کارزار میں کود
پڑی۔ بانو کون تھی؟

بانو جو بظاہر ایک عام گھریلو لڑکی تھی لیکن اس کی کارکردگی نے سیکرٹ
ایجنٹوں کو بھی مات دے دی۔

ور تھا اور جینی کو لینز جب حرکت میں آئیں تو ان کے مقابلے میں عمران
اور سیکرٹ سروس کی بجائے بانو میدان میں اتری۔ کیوں؟

ایک ایسی حیرت انگیز، دلچسپ اور انوکھی کہانی
جس میں ایکشن اور سسپنس بھی شامل ہے

اسٹاکسٹ
یوسف برادرز
محمد مارکیٹ
غزنی سٹریٹ - اردو بازار
لاہور

آئندہ ناول

ہارڈ کلرز

مصنف - شاہد محمود